ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 12 شمارہ 04
اپریل 2026ء

فلسطینیوں
کو سزائے موت دی جائے گی
اسرائیلی کنیسٹ کا تازہ قانون

ایران پر حملہ کرنے والا

امریکہ اپنی عالمی قوت کا بھرم کھو بیٹھا

اسرائیل نے ڈبو دیا یا خود ہی ڈوبتا گیا

صہیونی فوج تباہی کی راہ پر قاتلوں کا ٹولہ بن کے رہ گئی

اسرائیل اتحادوں کی خونی مسدس سے بھی مقاصد حاصل نہ کرسکا

عربوں نے فلسطین سے کس بات کا بدلہ لیا؟

''غزہ کے وہ معصوم۔۔۔

جو عید کی خوشیاں سمیٹنے نکلے تھے،

اب سفید کفن اوڑھے ابدی نیند سو رہے ہیں۔''

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 12 شمارہ 04 اپریل 2026ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

محصور غزہ میں عید، خوشی اور غم ساتھ ساتھ

مغربی کنارے میں تشدد فلسطینی آبادی کو بے دخل کر رہا ہے

نازی گیس چیمبرز سے اسرائیلی پھانسی کے قانون تک

فلسطینیوں کو سزائے موت دینے کے اسرائیلی قانون کی مذمت

- کوئی ماں جگر کا ٹکڑا دفن نہ کرے
- اسرائیل اور اتحادوں کی مسدس۔۔
- عرب حکام نے کس طرح نسل کش اسرائیل پر جوا کھیلا اور شکست کھائی
- لبنان لاکھوں بے گھر اپنی داستان سناتے ہیں
- وہ راز جو متحدہ عرب امارات کے بارے میں کوئی نہیں جانتا
- زن، زندگی اور آزادی کا نیا نعرہ
- کیا اسرائیلی فوج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے؟
- اسرائیلی آبادکاروں کے ہاتھوں تین فلسطینی شہید
- یورپی یونین انتہائی پرجوش
- بیطار صہیونی گروپ۔۔امریکی اشیر باد کا حامل

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

کلامِ اقبال

اداریہ

مشرق وسطیٰ بدل چکا؟

مشرق وسطیٰ شدید جنگ کی لپیٹ میں ہے۔ یہ جنگ اسرائیل اور امریکہ کے ایران کے بارے میں غلط اندازوں اور غیر منصفانہ رویوں سے شروع ہوئی۔ اسرائیل اور امریکہ نے رجیم [اقتدار] کی تبدیلی، ایران کے ایٹمی پروگرام کے خاتمے، اس کی فوجی اہلیت کے ناقص معلومات کی بنیاد پر شروع کی اور پورے خطے کو ایک ایسی تباہی کی نذر کر دیا جس نے امریکہ کے عالمی سپر طاقت ہونے، اسرائیل کے ناقابل تسخیر ہونے اور ایران کے تر نوالہ ہونے کے اوہام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ اسی جنگ کے دوران میں بورڈ آف پیس برائے غزہ بھی پس منظر میں دھکیل دیا۔ اس کے باوجود غزہ پر صہیونی حملے جاری رہے۔

اگر اس جنگ کو ایک طرف کر کے دیکھا جائے تو یہ ایک سچائی ہے کہ فلسطینیوں کی نسل کشی اگرچہ سست ہو گئی، تاہم جاری رہی۔ اس بارے میں خبریں اور اطلاعات کا شدید فقدان رہا۔ الجزیرہ ٹی وی کے عربی اور انگریزی چینل اس لیے توازن برقرار نہ رکھ سکے کیوں کہ قطر اس جنگ کا فریق بنتا گیا۔

حقیقت کو جگہ دی جائے تو یہ بات ثابت ہوئی کہ اس خطے کے عرب ممالک بہ شمول سعودی عرب بے نقاب ہوئے۔ ان کی آنکھوں پر پڑی امریکی و اسرائیلی محبت کی پٹی اترتی گئی۔ جب اس جنگ کے آغاز سے قبل معاملات بات چیت سے طے کرنے کی بات ہوئی تو ایرانی وفد سے ملاقات کے لیے آنے والے امریکی وفد میں جیرڈ کشنر، داماد اور مشیر صدر ڈونلڈ ٹرمپ، مشرط وسطیٰ کے لیے امریکی نمائندے سٹیو وٹکوف آئے تو یہ بات طے تھی کہ نسخہ ہائے امن میں ایسا سفوف ملا دیا گیا ہے جس سے آگ لگے گی۔ بچپن میں سکولوں کے باہر ایسا چورن بیچنے والے آتے تھے جو اس میں آگ کا شعلہ بھڑکاتے اور بچے خوش ہو جاتے، مداری کا چورن بک جاتا۔ اس مرتبہ یوں ہوا کہ ڈونلڈ ٹرمپ نے مذاکرات کے مکمل ہونے سے قبل ہی جنگ کا آغاز ایران پر شدید حملوں سے کر دیا، پہلے سے جمع کردہ معلومات، اپنوں کی جاسوسی، ایران کے کمزور اور انٹیلی جنس نظام نے ان حملوں کی بے تابی میں اضافہ کر دیا۔ ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای اور پھر علی لاریجانی شہید کر دیے گئے۔ اسرائیل اور امریکہ نے یہ جانا کہ کام ہو گیا، عوام باہر نکلے گی اور رضا شاہ پلوی کا بیٹا ان کا جانشین کے طور پر سامنے آ جائے گا۔ عوام باہر ضرور نکلے لیکن آیت اللہ خامنہ ای کے غم میں نڈھال باہر نکلے اور رجیم چینج کا منصوبہ ایک مایوس چیخ میں تبدیل ہو گیا۔

امت مسلمہ بہت سے تجربات کے باوجود اس سچ کو ہضم نہیں کر پائی کہ امریکی قیادت میں مغرب اسلامی یا اسلام پسند جماعتوں کی جمہوری انتخابی کامیابیاں ہضم نہیں کر سکتا۔ دور نہ جائیں تو 1991-92ء میں الجزائر میں اسلامی سالویشن فرنٹ نے پہلے بھاری اکثریت سے بلدیات میں انتخابی کامیابی حاصل کی اور پھر عام انتخابات میں دو تہائی اکثریت حاصل کر لی تو شاذلی بن جدید نے اقتدار کی منتقلی سے فرانس کی اشیر باد سے انکار کر دیا۔ ملک شدید خانہ جنگی سے دوچار ہوا۔ 2011ء کی عرب بہار نے التحریر اسکوائر سے تبدیلی کا آغاز کیا تو اخوان کی کامیابی اور ڈاکٹر محمد مرسی کی بے رحمانہ دوران حراست شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔ راشد الغنوشی کے مصالحانہ طرز عمل کو جس طرح پامال کیا گیا، وہ اس رویے کی بدترین مثال ہے۔ غزہ اور مغربی کنارے میں تبدیلی کو روکا گیا۔ اوسلو معاہدوں کے ذریعے مغربی کنارہ فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کر دیا گیا۔ غزہ میں 2006ء میں انتخابی کامیابی نے اسرائیل سمیت عربوں کو بھی فلسطینیوں کا مخالف کر دیا۔ اسرائیل نے غزہ کی طویل تکلیف دہ ناکہ بندی شروع کی تو خیال تھا کہ جلد ختم ہو جائے گی۔ مصر نے رفح کراسنگ کو بند کر دیا اور مصر اور غزہ جانے والی سرنگوں میں پانی بھر دیا تو ناکہ بندی میں اس کے کردار نے بھی ظلم کی کہانی طویل کر دی۔

غزہ میں نسل کشی اکتوبر 2023ء سے شروع ہوئی۔ ہزاروں فلسطینی اپنے فلسطینی ہونے کی وجہ سے شہید کر دیے گئے۔ ایک لاکھ سے زیادہ زخمی کر دیے گئے۔ ہاتھ پاؤں سے محروم ایک پوری نسل تیار کر دی گئی۔ بیس لاکھ افراد کو شمال سے جنوب اور پھر جنوب سے شمال دوڑا کر بے حال کر دیا گیا۔ غزہ کی ثقافتی، تہذیبی

اور سیاسی زندگی کے نشانات بمباری کی نذر کر دیے گئے۔ یہ سب کچھ عربوں بالخصوص امارات، قطر اور سعودی عرب کی نگرانی اور ان کے سرمائے سے کرایا گیا۔ امریکہ نے روایت برقرار رکھی اور یورپ نے بھرپور ساتھ دیا۔

اب ایران پر حملے اور وہاں سے بھرپور مزاحمت نے تاریخ پلٹ دی۔ اس سے کئی امور پہلی بار کھل کر سامنے آئے۔ امریکہ اور نیٹو کا گٹھ جوڑ ٹوٹا، اسرائیل کی حمایت کو امریکہ کے سوا کوئی نہ آیا۔

لیکن اس جنگ نے بہت سے گوشے اور بھی کھول دیے، بہ ظاہر اسرائیل کا مجرم نیتن یاہو ایسے پیش کیا جا رہا ہے گویا کہ زندہ ہو۔ یہ حقیقت اب اعتراف مانگتی ہے کہ وہ مارا جا چکا ہے۔ اس کی کابینہ کے اکثر ارکان مارے جا چکے ہیں۔ مغربی کنارے کا فاشسٹ نگران وزیر سموٹریش کہیں ہے کہ نہیں ہے۔ اسرائیل کاٹز کے مارے جانے کی اطلاعات عام ہیں۔ ان تمام مرنے والوں کے باوجود ایک حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی قابض فوج کے 15 ہزار سے زیادہ ارکان شمالی اسرائیل فرار ہو چکے ہیں۔

ایران نے جنگ بہت ماہرانہ انداز میں لڑی۔ جب یہ احساس ہوا کہ ایران میں جاسوسوں کی بھرمار ہے، قیادت کو چن چن کر شہید کیا جا رہا ہے تو ایران میں فوج کا کمانڈ اینڈ کنٹرول نچلی سطح تک خودمختار کر دیا گیا۔ 31 صوبوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے حالات کے مطابق جنگی فیصلے لینے میں مکمل خودمختار ہیں۔ اس طرح اسرائیل اور امریکہ کی یہ سازش ناکام ہوئی کہ اوپر کے لیڈروں کو ہٹا کر قبضہ کر لیا جائے گا۔ یہ پہلی ناکامی تھی۔ پھر ہر کمانڈ سے کہا گیا کہ وہ اپنے چار سے سات جانشین مقرر کریں۔ ایک شہید ہو جائے تو اگلا اس کی جگہ لے سکے۔

جنگ کے محاذ پر ایران نے یہ اقدام کیا کہ عرب ممالک میں ہر امریکی اڈے کو ہدف بنایا جائے گا۔ اسرائیل میں ہر اس مقام، ادارے اور فرد کو نشانہ بنایا جائے گا جو اسرائیلی یا امریکی ہوگا اور کسی بھی طرح جنگ میں ایران پر حملوں کا سبب بنے گا۔ گوگل، مائیکروسافٹ اور دوسرے تمام اداروں کو تباہ کیا جائے گا جو موساد، سی آئی اے، شین بیت کو کسی بھی طرح کی سپورٹ دے گا۔

بڑے مرحلے کے طور پر عرب ممالک میں بلاامتیاز امریکی اڈوں اور تنصیبات کو ختم کر دیا جائے گا۔ چناں چہ امریکہ کے نگران کے آلات، رڈار سسٹم اور ایسے تمام اداروں کو تباہ کر دیا گیا۔ پھر کہا گیا کہ جہاں سے ایران پر حملہ ہوگا، اسے نشانہ بنایا جائے گا۔ جہاں امریکی و اسرائیلی اثاثوں کا علم ہوگا، تباہ کر دیے جائیں گے۔

ان تمام اقدامات نے امریکہ میں ردعمل پیدا کیا۔ پنٹاگون اور وائٹ ہاؤس میں پہلی مرتبہ ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ بارہ سے زیادہ جرنیلوں کو برطرف کر دیا گیا۔ فوج کی کمان متحد نہ رہ سکی اور یوں ایران کے خلاف کمان اینڈ کنٹرول کمزور ہوا۔ سیاسی سطح پر پہلی بار یہ بات امریکی عوام کو سمجھ آ سکی کہ اسرائیل کے دفاع میں امریکی مالی اور انسانی سرمایہ ضائع ہو رہا ہے۔ اس ردعمل نے "نو کنگ" ریلیوں کی شکل اختیار کر لی جس میں 90 لاکھ تک امریکی شامل ہوئے۔ امریکہ کے کم و بیش 300 شہروں میں یہ مظاہرے ہوئے۔

اس دوران میں ڈونلڈ ٹرمپ امریکی صدر کم اور امریکی مولا جٹ ثابت ہوئے۔ بڑھک بازی میں انہوں نے نام کمایا۔ جھوٹ بولنے میں ان کا کوئی ثانی نہ رہا۔ انہوں نے ایک سے زیادہ مرتبہ دعویٰ کیا کہ ایران کی فضائیہ، بحریہ اور بری افواج تباہ کر دی گئیں اور ہر بار ایران نے اسرائیل، عرب دنیا میں امریکی مفادات اور میدان جنگ میں اترنے والے امریکی کمانڈوز، ڈیلٹا فورس کے ارکان اور 82 ویں ائیر بورن کے فوجیوں کو شدید مزاحمت سے دوچار کیا۔

ایران نے آبنائے ہرمز کو بند کر کے ایک اور تزویراتی کامیابی حاصل کی۔ اس کو کھلوانے کے لیے امریکہ نے اپنے مغربی اتحادیوں کو پکارا۔ کسی نے ساتھ نہ دیا۔ فرانس نے کہا کہ یہ جنگ ہماری نہیں۔ جاپان کی وزیراعظم نے کہا کہ ہم ابھی تک 1946ء کے ہیروشیما اور ناگاساکی کے امریکہ کے دیے زخم نہیں بھولے۔ امریکہ نے ایران کے اندر تباہی کی داستانیں رقم کیں۔ ابتداء ہی میں طیبہ سکول پر حملہ کر کے 157 بچیاں شہید کر دیں۔

اس ساری جنگ میں، جو ان سطور کے لکھے جانے تک، جاری ہے، امریکہ کو عالمی سپر طاقت کے اخلاقی مقام سے گرا دیا ہے۔ اسرائیل کے مرکزی شہروں تل ابیب، حیفا، نقب اور دوسروں کو بری طرح تباہ کر دیا ہے۔

اس جنگ کے خاتمے پر دنیا وہ نہیں رہے گی جو اس سے پہلے تھی۔ امریکہ میں مڈٹرم انتخابات آنے والے ہیں۔ ان میں ڈیموکریٹس کامیاب ہو گئے تو صدر ٹرمپ کے مواخذے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ مشرق وسطیٰ سے امریکہ کا صفایا ہو چکا ہے۔ اسرائیل کی فوجی تنصیبات کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ مختصر یہ کہ غلطیاں بڑے بڑوں کو برباد کر دیتی ہیں۔ امریکہ کی یہ غلطی اسے بہت حد تک برباد کر گئی ہے۔

براہ راست ڈیسک: تحریر: یوسف الجمال

محصور غزہ میں عید، خوشی اور غم ساتھ ساتھ

دنیا بھر کے مسلمان یکم شوال کو عید الفطر مناتے ہیں۔ یہ عید انہیں اللہ تعالیٰ سے اظہارِ تشکر کے طور پر دی جاتی ہے۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے بعد یکم شوال کی رحمتوں سے بھرپور رات گزرتی ہے تو عید الفطر کا دن انہیں خوشی اور مسرت کے لمحات دیتا ہے یہ ان کی طرف سے ہمیشہ بھر مزدوری کرنے کے صلہ کے طور پر دی جاتی ہے۔ یہ دن خوشی منانے، ایک دوسرے کے چہروں پر مسرت بکھیرنے کے لیے آتا ہے۔ شرارتی بچے بڑوں سے بضد ہو کر عیدی کا مطالبہ کرتے ہیں، عیدی چند روپوں، ریال و درہم وغیرہ پانے کا نام ہے۔

اس دن خاندان جمع ہوتے ہیں۔ نانا اور نانی یا دادا اور دادی کے گرد خوشی کا ہالہ بناتے ہیں۔ لطیفے اور چٹکلے چھوٹتے ہیں، روزے سخت یا کسی طرح سے بھی یادگار گزرے سب اپنی اپنی کہانیاں سناتے ہیں۔

یہ دن طلوعِ فجر کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ نماز کی ادائیگی باجماعت کرنے کے بعد نئے یا صاف کپڑے زیب تن کرتے ہیں تاکہ عید کی نماز ادا کریں۔

اسی تہوار کی ایک بہت پیاری اور لازمی روایت یہ ہے کہ فطرانہ نمازِ عید سے قبل ادا کیا جائے۔ فطرانہ ایک طرح سے نقد، اناج یا پھل یا اس شے کی طرح ادا کیا جاتا ہے جو روزہ رکھنے کے لیے اور افطار کرنے کے لیے عمومی استعمال کی جنس کی صورت دیا جاتا ہے۔

اس سال گزشتہ دو سالوں کی طرح مختلف انداز میں آئی۔ اہل غزہ سال بھر اپنے گھروں کی تباہی دیکھتے رہے۔ مجبور و بے بس اپنے پیاروں کے جنازے اٹھاتے رہے۔ رب کو پکارتے رہے۔ مسلمانوں کو پکارتے رہے کہ آؤ، خدارا ہماری مدد کو آؤ۔ مسلمان دنیا بھر میں تڑپتے رہے کہ وہ غزہ کی مدد کو جائیں ان کے ہتھیاروں کے آگے رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔

عید اب جیسی بھی ہے بہر حال عید ہے، خوشی کی کہانی ہے، پیارے رب کی مہربانی ہے۔ بہت سے فلسطینیوں کے لیے اپنے پیاروں کی یادیں ساتھ لائی، ماؤں کی گود میں شیر خوار بچوں کے خون نے بہت رلایا۔ یہ سب کچھ ناقابلِ یقین تھا، لیکن یقین کرنا پڑا۔

یہ منظر بہار ہے، یہاں لہو وہاں لہو یہ دامنِ گلستاں ڈس لہو، یہ دامنِ صبا لہو

ایک فلسطینی اپنی ان یادوں کے دریچے وا کرتا ہے جن سے اس کا بچپن جڑا ہے۔ وہ یاد کرتا ہے کہ ان دنوں رمضان کے آخری دن یا آخری عشرہ اندازوں، تخمینوں، عیدی وصول کرنے کے حوالے سے محنت و قدغن کے ساتھ آیا کرتا تھا۔ بچوں کو انتظار رہتا کہ کب عید کا اعلان کیا جائے گا، آج چاند دکھائی دے گا یا نہیں۔ پھر مساجد کے لاؤڈ سپیکروں سے اعلان ہوتا کہ کل عید ہو گی۔ گلیوں میدانوں میں، مسجد کے ساتھ والی گراؤنڈ میں یا بارش ہو جاتی ابرِ رحمت برس پڑتا تو جامع مسجد میں جاتے۔

اس مرتبہ عید کا اعلان ہوا تو آس پڑوس سے سب خوشی سے شاداں و فرحاں تھے تو میرے ایک بیٹا میرے سامنے کھڑا تھا۔ میرے بازوؤں میں میرا لختِ جگر اور اس کا گرم گرم لہو میرے بدن کو سہلا رہا تھا۔ چند سانسیں اس کی باقی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا: ''بابا! پریشان نہ ہوں جو میں دیکھ رہا ہوں، آپ ابھی نہیں دیکھ سکتے۔ بابا! سامنے باغ ہیں، ہمارے اور...'' وہ اپنے لختِ جگر کو دیکھتا تو کبھی اس کے دریدہ بدن کو دیکھتا، جسے بچپن میں اپنی بانہوں میں کھلایا تھا، آج وہ رخصت ہو رہا ہے۔

عید سے پہلے عمارتوں کے ملبے کے درمیان بازار سج رہے تھے۔ جا بجا رنگ برنگے کھلونے سجائے دکان دار بچوں کے منتظر تھے۔ کہیں سویٹس کے ڈھیر اور کینڈی ٹریٹس کے انبار تھے۔ بچوں نے بڑے شوق سے نئے کپڑے لینے تھے۔ کچہری کے اندر اور درمیان میں مسکراہٹیں تھیں اور قہقہے تھے۔ ایک دوسرے کے خیمہ نما گھر میں عید مبارک کہنے عورتیں آ جا رہی تھیں یہ سلسلہ دن بھر جاری رہا۔

بچوں نے عیدی وصول کی اور مزید کر رہے تھے۔ یہ ان کی عارضی چھوٹی منی تھی۔ بچے اپنے والدین اور عزیز و اقارب کے گرد جمع تھے۔ انہوں نے اپنی مٹھیاں پھیلا رکھی تھیں ''باجی عیدی؟ خالہ عیدی۔'' ہر ایک کے ہاتھ میں چھوٹے نوٹ تھے۔ کسی کو یہ فکر کہاں ہو سکتی کہ کتنے روپے جمع ہوئے یہ تو ان کے لیے کسی خزانے سے کم نہیں تھے۔

کئی بار کھانا فلاں دکانوں پر اور ریستورانوں پر رش لگ گیا تھا۔ جمع پونجی نچھاور کی جا رہی تھی کچھ ایسے تاسف زدہ بچے بھی تھے جن کی عیدی ان کی پسندیدہ شے نہیں مل سکتی تھی۔

تباہی اور بے گھری کے باوجود عید منائی جا رہی تھی۔ شاہدہ ایک بڑے گڑھے کے کنارے کھڑی تھی۔ اس کی ماں پس و پیش میں تھی۔ اس کے حصے میں اس کا حصہ رہا تھا،

وہ اس بوسیدہ سر کو بار بار چوم رہی تھی اور آنسوؤں کی سیلِ رواں کو شرمندہ کر رہے تھے۔

عید کا معانی تو خاندان ہے، فیملی ہو تو عید ہو سکتی ہے۔ نمازِ عید پڑھ کر آنے والے اپنے خاندان کے ساتھ جمع تھے جہاں گرم جوشی تھی، محبت اور خوشی تھی۔ اکٹھے ناشتہ ہو رہا تھا۔ کتنے ہی دنوں بعد یہ موقع آیا تھا، جن کے گاڑیاں تھیں وہ ان میں ٹھسّ ٹھمّ سوار اپنے دوسرے عزیزوں سے ملنے غزہ میں ہی جا رہے تھے۔

انہی میں کہیں نئ عالیہ (نام تبدیل کر دیا گیا ہے) بھی کھڑی تھی۔ وہ کئی برسوں سے ''انروا'' (UNRWA) کے سکول میں ٹیچر تھیں۔ وہ ان دنوں ہمارے ہی پڑوس میں تھیں۔ انہوں نے بچوں کو جمع کر لیا تھا وہ سب مل کر راستہ صاف کر رہے تھے۔ ہموار جگہ تیار کر رہے تھے حالانکہ آنٹی عالیہ نے بتایا تھا کہ کچھ بھی ہموار نہیں ہے۔ ایک ہزار سین، لہجے ہموار نہیں، چال ڈھال ہموار نہیں۔ سب نے گرد صاف کی، زمین پر پانی چھڑکا۔ کہیں کہیں غبارے بھی سجائے گئے تھے۔

ہم بچوں کے لیے موسیقی اور کوئی جادوگری دکھانے کی تیاریاں تھیں۔ ہمیں یقین تھا کہ ہم سب مل کر عید کو زندگی سے بھرپور بنا رہے تھے۔ چند لمحوں کے لیے یوں محسوس ہوا تھا، لیکن کیا تم جانتے ہو کہ آخر کار بچے ہی ہوتے ہیں۔

جنگ اور نسل کشی: اسرائیل کو بمباری کی عادت سی ہو گئی تھی۔ وہ گزشتہ بیس برسوں سے بم برسا رہا تھا۔ محاصرہ شدید ہوتا جا رہا تھا۔ خاندان کے خاندان اپنے پیاروں کو اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی تلے دفن کر رہے تھے۔ اس مرتبہ وہ اپنے پیاروں سے ملنے ان کے قبرستان گئے تو بہت سے لوگ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے تھے کہ وہاں پھول ہی پھول تھے کچھ کلیاں بھی تھیں۔ اس مرتبہ اس قدر خاموشی تھی کہ اب یہ خاموشی کھلنے لگی تھی۔ سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ آنسوؤں نے چہرے کہیں گم کر دیے تھے ہونٹوں کو مسکرانا بھول گیا تھا۔

اس کے باوجود غزہ کی گلیاں آنے جانے والوں سے بھری تھیں۔ ایک دوسرے کو گلے ملتے اور کہتے کہ ہم غزہ سے ہیں اور غزہ ہم میں ہے۔ محلے میں عید، غزہ میں نسل کشی اپنے عروج پر تھی۔ گھروں کے گھر ملبے کے ڈھیر کر دیے گئے تھے۔ وہ عمارتیں جو کبھی خاندانوں سے آباد تھیں، جن میں ماضی یادیں بساتا تھا، قہقہے گونجتے تھے کنکریٹ کے ملبے میں بدل دیے گئے تھے۔ ہزاروں بے گھر ہوئے لیکن کہیں کھو گئے تھے۔ اب یہ لوگ ٹینٹوں میں رہنے پر مجبور کر دیے گئے تھے، یہ گھر نہیں تھے، نائلون سے بنے جھونپڑے تھے۔

ماضی میں جب کبھی رمضان کا مہینہ آتا تھا، لوگ کپڑے خریدتے جوتے پسند کرتے، لڑکیاں مہندی لگاتیں یا ہاتھوں پر مہندی سجاتی تھیں۔ آج تو ضروریاتِ زندگی نایاب ہو گئی تھیں۔ مہندی سرخ لہو میں گھل گئی تھی۔ بچے اب بچے نہیں رہے تھے، ان کے گھروں پر ملبے بنے تھے وہ اس جگہ کو چھوڑ کر جانے کی تیاری میں تھے۔ اب عید کی خوشیاں لوٹ کے کیسے آتیں؟ درد کا احساس دو چند ہو گیا تھا۔ اب عید کا مفہوم بدل گیا تھا۔

یہ لمحات اگرچہ بہت کمزور تھے لیکن ان کی اہمیت بہت بڑھ گئی تھی۔ اب لوگوں میں عزم عود کر آیا تھا انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کسی بھی صورت اپنی انسانیت مٹنے نہیں دیں گے۔

اب خاندان عید کا کھانا باہم بانٹ کر کھا رہے تھے۔ وہ یہ تمنا کر رہے تھے کہ تعلق امور و رابطہ میں پہلے والے بھی رہے تھے نیز نئے تعلق نئے روابط تھے۔ اب دستر خوان اجنبی ضرور تھا لیکن وہاں اپنائیت الگ سی تھی۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ عید محض خوشی منانے کا نام نہیں، یہ سچائی کو جاننے کا عنوان ہے۔

غزہ عید مناتا رہے گا، وہ یادوں کے سہارے زندہ رہے گا۔ اس نے امید سے دامن چھڑانا ترک کر دیا ہے۔ وقت کے تاریک لمحوں میں بھی عید زندگی کی روشنی کا پیغام ہے۔ یہ پیغام زندہ ہے زندہ رہے گا۔

محاصرے میں عید:

امریکہ اسرائیل نے مل کر ایران پر حملہ کیا تو ساری توجہ یورپی آفس اور بین الاقوامی اقوامِ متحدہ پر مرکوز سے ہو گئے۔ مرنے والے ظالم اور بد وجہ کے محاصرے سے ہٹ کر پہلو بدل کر سرخرو ہو گئے۔ غزہ میں اشیائے ضرورت کی بہت قلت تھی اور قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ اسرائیلی ایجنٹ اشیاء کی بلیک مارکیٹ کرا رہے تھے لوگوں کی مشکلات میں مختلف حیلے بہانوں سے اسرائیلی فوج سنگینی پیدا کر رہی تھی۔

جوں ہی عید الفطر کا آغاز ہوا تو یہی خیال تھا کہ زندگی اب نارمل ہو جائے گی۔ خوشیاں لوٹ آئیں گی۔ جن لمحات کو ان خوشیوں اور فکر سے بے فکر نہیں بدلا جا سکتا، آج ان میں فکرمندی اور تشویش بڑھتی جا رہی تھی۔

معاشی بحران محض اتنا ہی نہیں تھا کہ عارضی مہنگائی نے پنجے گاڑ رکھے تھے بلکہ بحران یہ تھا کہ اسرائیلی فوج، بندوق کی سیاست نے علاقائی اور بین الاقوامی سیاست سے مل کر انسانی زندگی کے لیے سمتِ انجان بنا دیا تھا۔ غزہ کی جگہ کنکریٹ کا ملبہ سامنے آنے لگے حادثات کو اس کے لیے ایک امتحان بتایا جا رہا تھا کہ غزہ کے لوگ اپنے علاقے اور گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔ اسرائیل حالات سے فائدہ اٹھانے لگا تھا۔ اس نے لبنان اور شام میں عبادت گاہیں نشانہ جنگ بھی کر دیے تھے۔ اس طرح وہ ایک فائدہ اشیائے خورد و نوش کی آزادانہ نقل و حمل کو روک کر بھی حاصل کر رہا تھا۔ وہ غزہ کو قحط زدہ ریاست میں اٹھا کر لے جا رہا تھا۔

جب اشیاء مارکیٹ میں مفقود بھی تھیں، بعض تاجر حالات سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ انہوں نے غیر منصفانہ طور پر قیمتوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ مثال کے طور پر جنگ سے پہلے ٹماٹر تقریباً ایک ڈالر یا اس سے کم پر فروخت ہو رہے تھے اب وہ ساڑھے چودہ ڈالر فی کلو کے حساب سے بیچے جا رہے تھے۔ بند ڈبوں میں خوراک کے نرخ بھی اسی طرح بڑھا دیے گئے تھے۔ بجلی کا ایک یونٹ 5.83 ڈالر تھا جو 8.10 ڈالر کر دیا گیا تھا۔ زندگی بسر کرنے کی قیمت آسمان سے باتیں کرنے لگی تھی۔

قیمتوں میں اضافہ نہیں ختم نہیں ہوا تھا۔ زندگی بچانے کی ادویات کے نرخ عام طبقے کے لیے ناممکن ہو گئے تھے۔ ان حالات نے عید کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی امرِ محال بنا دی تھیں۔

اسرائیل نے ایران سے جنگ کی آڑ لے کر فلسطین کشی پالیسی دوبارہ نافذ کرنا شروع کر دی تھی۔ یہ کہا جانے لگا تھا کہ غزہ میں سیکیورٹی کے امور پر خطرات بڑھ گئے ہیں، چیک پوسٹ سے گزرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

ان حالات میں عید الفطر منانا اب بچوں کے کھیل کو دتک رہ گیا تھا۔ چیزوں کی سپلائی میں جہاں بہتر نظارے، مہنگائی ضرب بنا دی جاتی۔ یہ بات صاف عیاں ہو گئی تھی کہ غزہ میں محض معاشی بحران نہیں ہے بلکہ اخلاقی اور سیاسی بحران زیادہ ہے۔ آئے دن قبضے، ناکہ بندی اور محاصرے نے زیادہ لاوارث بنا دیا تھا۔

عید الفطر کا لباس زندہ تھا، اسے سامانِ مسرت و خوشیوں کا انتظام کرنا ایک کارِ لاحاصل تھا۔ اس دوران میں گولی چلتی تو روزہ دار شہید کر دیے جاتے۔

الجزیرہ سٹاف رپورٹ: ابرار حسین

مغربی کنارے میں تشدد، فلسطینی آبادی کو بے دخل کر رہا ہے

فروری کے اختتام اور مارچ کی درمیانی اتوار ڈوب رہی تھی۔ سورج پاس ہی نشیب میں اتر چکا تھا۔ گویا رات نے تاریکی کو راستہ دے دیا تھا۔ سیٹلر یعنی آبادکار، غول در غول مغربی کنارے کے گاؤں میں ''جبین'' کے جنوب میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے گھروں کے گھر نذرِ آتش کر دیے تھے۔ گاڑیاں جلتی ٹارچ کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ اسرائیلی فوجی محوِ نظارہ تھے۔ فلسطینی بے بسی کا استعارہ تھے۔ یہی غول پھر آگے بڑھا۔ اب گاؤں نیا تھا اور دھندا پرانا تھا۔ گھر جل رہے تھے۔ یہاں بلڈوزر بھی شاملِ واردات ہو گئے تھے۔ زیتون کے درخت جڑوں سے اکھاڑ دیے گئے تھے۔ صلح و امن بھی اجڑ گیا تھا۔ مقامی فلسطینیوں کا کہنا تھا کہ پولیس بھی تماشائی تھی بلکہ فوج بھی۔ کوئی حملہ آوروں کو روک نہیں رہا تھا۔ شکایت کرنے والوں کو روکا جا رہا تھا۔

فلسطینی کارکنوں کا اخبار نویسوں سے کہنا تھا کہ یہ روزانہ کا معمول تھا۔ مار پیٹ کے مناظر، چیخ و پکار کی صدائیں، رب کو پکارنے کے انداز سب نئے تھے۔ ابھی کچھ 17 مارچ کو بھی ہوا تھا۔ اس مرتبہ رملہ کی باری تھی۔ سب سے پہلے یوسف معظم کے گھر کی باری تھی۔ بھرپور فوج طلب کر لی گئی۔ یوسف کے دو بیٹوں بالترتیب 21 اور 14 سال عمریں تھیں، انہیں دہشت گرد قرار دے کر گرفتار کر لیا گیا تھا۔

گھر میں وہی واقعات دیگر علاقوں سلفیت اور جنوبی الخلیل میں بھی ہو رہے تھے۔ پھر معلوم ہوا کہ ہر جگہ ہو رہے تھے۔ زمینوں پر قبضہ اور انہدام، ان واقعات کی ترتیب اور مقاصد سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مغربی کنارے کی زمین، فلسطینیوں کے گھروں اور عمارات کا گرایا جانا دراصل سو سال سے بھی پرانا خواب ہے۔ دنیا کا یہ واحد انوکھا واقعہ ہے جسے آباد کیا گیا قبضے کے طریقے کار کو بھی شرمندہ کر دیا۔

اسرائیلی فوج کو جب دیکھا گیا کہ وہ زیتون کے جنوں کو بلڈوزروں کے ذریعے جڑ سے اکھاڑ رہی ہے تو اس کی فلم بندی بھی ہوئی۔ یہ کارروائی نعلین (Ni'lin) کے علاقے میں کی گئی اور کئی دن یہ روک ٹوک جاری رہی۔ اسی طرح نابلس کے ہوارا (Huwara) کے علاقے میں ایک کلومیٹر کے رقبے سے 1500 درخت اکھاڑ دیے گئے۔ مسافر یطہ (Masafer Yatta) میں یہودی آبادکاروں نے 130 درخت برباد کر دیے گئے۔ مغیر العبید میں فلسطینیوں کی تیار فصلوں میں لائیو سٹاک (گائے، بھینس، بکریاں اور گھوڑے) چھوڑ دیے گئے۔ اس طرح وہاں بھی تیار فصلوں کو خراب کر دیا گیا۔

اسرائیلی حکام نے 16 مارچ کو ایک اور کام کیا۔ فوج نے تو باس اور تیمین میں ساری زمین (تقریباً دو کلومیٹر) خالی کرنے کے احکامات دے دیے۔ یہاں خاندانوں سے کہا

گیا کہ ان کے علاقے فوجی مقاصد کے لیے درکار ہیں۔ یہ مغربی کنارے کا شمالی حصہ ہے۔ دو دن بعد سڑک بنانے کا سامان فوج نے وہاں پہنچا دیا۔ اس اعلان سے ایک دن پہلے 15 مارچ کو انہی علاقوں میں فلسطینی خاندان کے چار افراد کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ ان میں دو بچے بھی شامل تھے، یہ ایک کار میں سفر کر رہے تھے جب قابض فوج نے ان کو موت کی نیند سلا دیا۔

وادی اردن کے فیصل الوسطیٰ میں اس اسرائیلی فوج نے تمام گھر بلڈوز کر دیے تھے۔ پھر آخری گھر بھی تباہ کر دیا گیا جہاں باقی یہودیوں کو تشدد کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اسرائیلی ہائی کورٹ نے ان کی سرگرمیوں سے پہلے ہی ایک معاہدے کی منظوری دے چکی تھی۔ اس حکم میں اس آخری خاندان کو اپنے گھر میں رہنے کی اجازت بھی دے دی گئی تھی۔ یہاں تشدد کرنے پر غیر عدالتی احکامات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی گئی۔ ایک اور کارروائی خیر یہ کے مراجیم میں کی گئی۔ اس کا حکم سول انتظامیہ نے دیا تھا۔ اس سارے واقعہ کی فلم بندی بھی کی گئی۔ یہ ڈوما کے جنوب مغرب کا علاقہ نابلس میں واقع تھا۔

سڑکوں اور راستوں کی بندش:

17 مارچ کی ہی بات تھی، دس بجے یہ یہودی غول در غول جمع ہوئے۔ انہوں نے سڑکوں کو ملانے والے دس جنکشن پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے زاتارہ، یتز ہر، ہومیش اور الشاویہ کو اپنی گرفت میں لے لیا، فلسطینی گاڑیوں پر حملے کیے۔ پھر انہوں نے اتوار کو سنجیل سے ہو کر مبیط کو بیت عین کے لیے بند کر دیا۔ یہاں سے یہودی آبادکاروں نے جنازے کا جلوس گزارنا تھا۔ تمام فلسطینی راستوں کو مکمل بند کر دیا گیا۔ کسی بھی فلسطینی ایمبولینس کے لیے بھی رستہ فراہم کیا گیا بلکہ یہودی آبادکاروں سے اجازت نامہ حاصل کر کے نقل و حرکت ریگومنٹ پابندیوں پر عمل درآمد کے لیے قابض انتظامیہ کو مقرر کیا گیا۔ یہ سلسلہ ایران سے جنگ کے آغاز سے شروع کیا گیا۔ اس دوران میں فلسطینیوں کی باہمی مواصلات کو بھی معطل کر دیا گیا۔ بہت سے دیگر فلسطینی علاقوں میں انٹرنیٹ کے علاوہ آمد و رفت بند کر دی گئی۔

یہودی آبادکاروں نے سڑکوں اور راستوں کو تب سے بند کرنا شروع کیا گیا جب انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں کے ایک رہائشی کی فائرنگ سے ہلاکت کی ہے (جو کہ ایک مبینہ واقعہ تھا)۔ یہ راستہ یہودی آبادکاروں کی پہلی بستی کے آگے لگائی گئی تھی۔ اس کو اسرائیلی فوج کے ہی ایک فوجی ایکشن کے بعد لگایا گیا تھا۔ یہاں کی درمیانی دیواریں مسمار کر دی گئی تھیں۔ اس صورت حال میں فلسطینیوں نے احتجاج شروع کیا تو ان پر فوج نے آبادکاروں کے ساتھ مل کر پکڑ دھکڑ کرنا شروع کر دیا۔ اس دوران میں خاص طور پر فلسطینی گاڑیوں کو نشانہ بنایا گیا۔

اس ساری کارروائی کے درمیان بین الاقوامی رپورٹس آنے لگیں جن میں بتایا گیا کہ شہریت ہمیشہ سے ایک فلسطینی سے تشدد کیا گیا ہے اور سابق سیکیورٹی اہلکاروں کی سینکڑوں کی تعداد نے ایک خط حکام کے نام لکھا جس میں سیٹلر تشدد کی مذمت کی گئی تھی۔ یہ واقعہ 18 مارچ کو پیش آیا۔ اس پر اسرائیل کے فوج کے چیف آف اسٹاف ہرزی حلوی نے ان واقعات کی مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ فلسطینیوں پر حملے اور تشدد اخلاقی و قانونی اعتبار سے ناقابل قبول ہیں۔ یہودی آبادکاروں کی ایک تحریک کے لیڈر اور سابق وزیراعظم نفتالی بینیٹ نے بھی مذمت کی۔ وہ آنے والے انتخابات میں وزیراعظم بننے یا ہونے کے مقابلے میں کام کر رہے تھے۔

اسی ہفتے کے دوران میں معلوم ہوا کہ آبادکاروں نے ایک ذیلی چیک پوسٹ کی بھی تعمیر شروع کر دی ہے۔ اس کی رپورٹ مقامی کارکنوں کے ایک نیٹ ورک نے حکام کو دی تھی۔ اس واقعے سے قبل انہی آبادکاروں نے صقر قصریٰ میں 14 مارچ کو ایک فلسطینی نوجوان کو قتل کرنے کے لیے حملہ کیا تھا۔ اس دوران میں فلسطینی فوج بھی موجود تھی۔

اسی دوران میں غزہ میں خوراک کی فراہمی کے راستوں پر نہایت رازداری سے پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ جب سے اسرائیل کے ساتھ ایران کی جنگ شروع ہوئی تھی، غزہ میں خوراک کی ترسیل بند کر دی گئی تھی۔ اس اقدام نے اشیائے خورد و نوش کے حصول اور ان کی قیمتوں کو آسمان سے لگا دیا تھا۔ جب حکام سے کہا گیا کہ رفاہ کا راستہ کھولیں تاکہ امداد غزہ میں داخل ہو سکے تو پابندیوں میں مزید وسعت کر دی گئی۔

غزہ پر پابندیوں سے مغربی کنارے کے علاقے بھی سخت پابندیوں کی زد میں آ رہے تھے۔ یہ پابندیاں اسرائیل، امریکہ اور ایران جنگ میں شدت کے ساتھ ساتھ مزید سخت ہو رہی تھیں۔ ان سرگرمیوں اور پابندیوں کے دیگر مقاصد کے علاوہ یہ بھی ہے کہ فلسطینیوں کی مزاحمت توڑی جائے، انہیں کسی بھی اقدام سے پہلے خوف زدہ کر دیا جائے۔ ان سرگرمیوں کی وجہ سے ہر حادثہ خراب سے خراب تر ہو رہے ہیں۔ اسرائیلی قابض فوج کو موقع مل رہا ہے کہ وہ مغربی کنارے سے فلسطینیوں کی بے دخلی کے عمل کو تیز کر سکے۔

منظر نامہ: عفت حسن رضوی

نازی گیس چیمبرز سے اسرائیلی پھانسی کے قانون تک

معروف فلسطینی فزیشن مصطفیٰ برغوثی کہتے ہیں کہ اگر دنیا اسرائیلی بربریت پر خاموش نہ رہتی تو آج ظلم اپنی اس انتہا پر نہ پہنچتا، ظالم کا ہاتھ اگر پہلے ہی روک لیا گیا ہوتا تو اسرائیلی فاشزم اپنے عروج سے پہلے قابلِ علاج ہوتا۔

آج حال یہ ہے کہ بظاہر خود کو مشرق وسطیٰ کی واحد جمہوریت قرار دینے والا اسرائیل جس کی پارلیمان ایسا قانون پاس کر بیٹھی ہے جس کا شکار صرف فلسطینی قیدی ہوں گے۔ یہ سزائے موت کا قانون ہے۔

دو روز قبل اسرائیل کی پارلیمنٹ کنیسٹ نے پھانسی کے پھندے کے ذریعے سزائے موت دینے کا ایک بل پاس کیا جس کا اطلاق فلسطینیوں پر ہوگا۔ اسرائیل کے لیے اس قانون کی اتنی اہمیت تھی کہ ووٹنگ کے دن تمام اسرائیلی سیاست دان اپنے کالر پر پھانسی کے پھندے جیسا پن سجا کر آئے۔

اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو نے خود بھی ووٹ ڈالا، جبکہ قانون پاس ہوتے ہی اسرائیلی نیشنل سکیورٹی کے وزیر اتمار بین گویر نے جشن مناتے ہوئے ایوان کے اندر شیمپین کی بوتلیں کھول لیں۔

سوشل میڈیا پر اس وقت اس ظالمانہ قانون، اسرائیلی پارلیمنٹ میں مسلمانوں، عربوں کی نسل کشی کے بیانات اور پھانسی دینے والے چیمبر کے باہر جشن مناتے اسرائیلیوں کی ویڈیوز وائرل ہیں۔

نئے قانون کے مطابق اسرائیل اور اس کے قبضہ شدہ علاقوں سے پکڑے جانے والے فلسطینیوں کو اسرائیلی عدالتیں دہشت گردی کا جرم ثابت ہونے پر سزائے موت دیں گی۔ لیکن یہ قانون اسرائیل کے یہودی شہریوں پر لاگو نہیں ہوگا، یعنی یہودیوں پر قتل کا جرم بھی معاف!

فلسطینیوں کو سزا دینے والی ان اسرائیلی فوجی عدالتوں میں عام یہودی اسرائیلی شہریوں کا ٹرائل نہیں ہوگا، مزید یہ کہ عدالتوں کو سزائے موت کے خلاف اپیل رد کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔

اسے آسان لفظوں میں ہٹلر کی بنائی جرمن نازی فوج کے گیس چیمبرز سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جہاں تاریخ دانوں کا دعویٰ ہے کہ قیدی کا صرف یہودی ہونا ہی جرم ثابت ہونے اور سزائے موت ملنے کے لیے کافی ہوا کرتا تھا۔

آج ان ہی یہودیوں کے نام پر بننے والی قابض ریاست اسرائیل نے بالکل وہی قانون فلسطینیوں کے لیے بنا لیا ہے۔ اسرائیل تو ویسے بھی فلسطینیوں کے بعد اب لبنانیوں کی نسل کشی پر چل پڑا ہے، روزانہ کے حساب سے اسرائیل کے ہاتھوں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں میں ہوتی ہے، پھر کیوں اس سزائے موت کے قانون پر اتنی پریشانی ہے؟

اس وقت اسرائیلی جیلوں میں لگ بھگ گیارہ سے پندرہ ہزار کے قریب فلسطینی قید ہیں جن میں چند خواتین ہیں، باقی تمام مرد ہیں۔ ان قیدیوں میں کم عمر لڑکے بھی ہیں اور بزرگ بھی۔ یہاں تک کہ ان قیدیوں میں غزہ کے ہسپتالوں کے ڈاکٹرز اور نرسنگ سٹاف بھی شامل ہیں۔ اسرائیلی تنظیم بی تسیلم کے مطابق اسرائیلی فوجی عدالتوں سے فلسطینیوں کو سزا ملنے کی شرح لگ بھگ 96 فیصد ہے۔

اس کا سیدھا سا مطلب ہے کہ وہ تمام پندرہ ہزار قیدی جو اسرائیل کی قید میں ہیں، ان کے سر پر پھانسی کا پھندا اب لٹکنے لگا ہے۔ دنیا بھر میں موت کی سزا کو سرکاری طور پر ختم کرنے کے حوالے سے گذشتہ دو دہائیوں سے یورپی یونین اور بین الاقوامی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ ان تنظیموں نے اقوام متحدہ اور یورپی یونین کے ساتھ مل کر اتحاد بنا رکھا ہے جو یہ طے کرتا ہے کہ سزائے موت دینے والے ملکوں کو دباؤ میں کیسے لینا ہے۔

یورپی یونین سزائے موت کو انسانی حقوق کی منظم خلاف ورزی کہتی ہے۔ یہ سزائے موت دینے والے ملکوں سے تجارت نہیں کرتی، سفارتی تعلقات اور دیگر شعبوں میں تعاون بھی محدود کر دیتی ہے۔ دیگر ممالک پر یورپی یونین والے اپنا اخلاقی لیکچر جھاڑ لیتے ہیں، لیکن بیلاروس نے شدید دباؤ کے باوجود سزائے موت پر پابندی نہیں لگائی جس کے باعث انہیں بھی زیرِ عتاب رہنا پڑا۔

چین، عراق، ایران سمیت کئی ممالک کو سزائے موت کے اطلاق کی وجہ سے مغربی ریاستوں کا دباؤ اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی طرف سے مذمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ افغانستان میں سر عام پھانسی اور کوڑے دینے کی سزاؤں پر ہر ملک تھو تھو کرتا ہے۔

اب منافقت دیکھیے، اسرائیل کے قانون برائے سزائے موت پر امریکہ نے کہا کہ اسرائیل کو خود مختار قانون بنانے کا حق ہے جس کا واشنگٹن احترام کرتا ہے۔ برطانیہ، فرانس، جرمنی اور اٹلی نے گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ یورپی یونین نے اسرائیل سے اپنی بین الاقوامی قانونی ذمہ داریوں کی پابندی کرنے کی اپیل کی ہے۔ یہ صرف ایک کالے قانون پر عالمی خاموشی کا معاملہ نہیں، یہ فلسطینیوں کی نسل کشی کا وہ گھناونا کھیل ہے جو گذشتہ تین برسوں سے جاری ہے۔

اس میں شریکِ جرم وہ سب ریاستیں ہیں جو اسرائیل کا بازو بنیں، جنہوں نے اسرائیل کو اسلحہ فراہم کیا، جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ معمول کے مطابق تجارت رکھی اور جنہوں نے بائیکاٹ کے بجائے اسرائیل کے ساتھ سفارت کاری کو فروغ دیا۔ [بشکریہ انڈیپنڈنٹ اردو]

فلسطینیوں کو سزائے موت دینے کے اسرائیلی قانون کی مذمت

نئے قانون میں مقبوضہ مغربی کنارے میں ایسے فلسطینیوں کے لیے پھانسی کو بطور ڈیفالٹ سزا مقرر کیا گیا ہے جو اسرائیلیوں کے قتل کے جرم میں مجرم قرار دیے جائیں۔

اسرائیل نے پیر کو ایک نیا متنازع قانون منظور کیا ہے جس کے تحت اگر کوئی فلسطینی اسرائیلیوں پر مہلک حملے میں مجرم قرار پاتا ہے، تو اسے سزائے موت (پھانسی) دی جا سکتی ہے اور یہ سزا اب 'ڈیفالٹ' یعنی عام سزا ہوگی۔

انسانی حقوق کی تنظیموں اور فلسطینی رہنماؤں نے اسرائیل کی جانب سے اس قانون کی منظوری کی شدید مذمت کی ہے جس کے تحت اسرائیلیوں کے قتل کے الزام میں سزا یافتہ فلسطینیوں کو پھانسی کی سزا دینے کو ممکن بنایا گیا ہے۔ ناقدین کے مطابق یہ اقدام بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی اور فطری طور پر امتیازی ہے۔

اسرائیل میں شہری حقوق کی ایک تنظیم نے اس قانون کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی ہے۔

اسرائیلی پارلیمنٹ (کنیسٹ) نے پیر کو اس قانون کی منظوری دی جس کے تحت مقبوضہ مغربی کنارے میں ایسے فلسطینیوں کے لیے پھانسی کو بطور ڈیفالٹ سزا مقرر کیا گیا ہے جو اسرائیلیوں کے قتل کے جرم میں مجرم قرار دیے جائیں گے۔

اس قانون کی حمایت انتہائی دائیں بازو کے اسرائیلی وزیر قومی سلامتی اتمار بن گویر نے کی، جنہیں قانون کی منظوری کے بعد پارلیمنٹ میں شیمپین کے ساتھ جشن مناتے دیکھا گیا۔ یہ بل 62 کے مقابلے میں 48 ووٹوں سے منظور ہوا۔

بن گویر نے سوشل میڈیا پر لکھا: 'ہم نے تاریخ رقم کر دی۔' انہوں نے یورپی یونین کی جانب سے قانون واپس لینے کے مطالبات کو مسترد کرتے ہوئے کہا: 'ہم خوفزدہ نہیں ہیں، ہم جھکیں گے نہیں۔'

یہ قانون ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب مقبوضہ مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج اور آبادکاروں کے حملوں میں اضافہ ہوا ہے، اور ہزاروں فلسطینی گرفتار کیے جا چکے ہیں۔

یہ اقدام درحقیقت ملک میں سزائے موت کو دوبارہ متعارف کرواتا ہے لیکن صرف فلسطینیوں کے لیے۔ اب پھانسی کے ذریعے موت مغربی کنارے کے ان رہائشیوں کے لیے معمول کی سزا ہوگی جو دہشت گردی کے الزامات میں مجرم قرار دیے جائیں گے، اور اس کے لیے ججوں کی متفقہ رائے کے بجائے صرف اکثریتی فیصلہ کافی ہوگا۔

ریاست کی تاریخ میں سزائے موت صرف ایک بار نافذ کی گئی ہے، جب 1962 میں نازی جنگی مجرم ایڈولف آئشمین کو سزا دی گئی تھی۔

جرمنی، فرانس، اٹلی اور برطانیہ کی حکومتوں نے اس بل کی منظوری سے قبل ایک بیان جاری کیا، جس میں اس پر 'گہری تشویش' کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس سے اسرائیل کے جمہوری وعدوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہے۔

فلسطینی وزارتِ خارجہ نے اس قانون کو 'خطرناک شدت' قرار دیتے ہوئے مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ اسرائیل کو 'مقبوضہ فلسطینی سرزمین پر کوئی خودمختاری حاصل نہیں ہے۔'

فلسطین کی وزارت خارجہ نے یہ بھی کہا کہ یہ درپردہ 'ماورائے عدالت قتل کو جائز بنانے کی کوشش' ہے۔

جبکہ حماس نے اس قانون کو 'خطرناک مثال' قرار دیا اور کہا کہ اس سے اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینیوں کی زندگی کو خطرے میں ڈالا گیا ہے۔ حماس نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ یہ قانون بین الاقوامی قانون اور انسانی اقدار کی کھلی خلاف ورزی ہے، اور اقوام متحدہ اور ریڈ کراس سے فوری مداخلت کی اپیل کی۔

اقوام متحدہ کا دفتر برائے انسانی حقوق نے بھی اسرائیل سے مطالبہ کیا کہ وہ فوری طور پر اس قانون کو واپس لے۔ بیان میں کہا گیا کہ سزائے موت ہر حالت میں ناقابل قبول ہے اور یہ قانون 'ظالمانہ، غیر انسانی اور تضحیک آمیز سزا' کے زمرے میں آتا ہے۔

[بشکریہ: انڈپینڈنٹ اردو]

انڈیپنڈنٹ رپورٹ: اسرا ابوقمر

”کوئی ماں جگر کا ٹکڑا دفن نہ کرے“: جنگ نے غزہ کی خواتین کی زندگی کیسے بدلی؟

غزہ کی خواتین گذشتہ دو سال میں ہونے والی تباہی، خاندانی نقصانات اور روزگار کے حالات کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟

اکتوبر 2023 میں جنگ شروع ہونے کے بعد غزہ کی خواتین کی زندگی پہلے ہی ڈرامائی طور پر تبدیل ہو چکی تھی۔ فروری میں ان کی زندگی مزید متاثر ہوئی جب امریکہ اور اسرائیل نے مل کر فروری میں ایران پر حملہ کر دیا۔

یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ گذشتہ ڈھائی سال کی جنگ نے غزہ کے سماجی تانے بانے کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ اب 57000 سے زیادہ گھرانوں کی سربراہ خواتین ہیں، جن میں سے کئی اپنے شوہروں کو کھونے کے بعد سخت غربت اور خطرے کے ماحول میں اچانک اپنے خاندانوں کی واحد کفیل بن چکی ہیں۔

صحت کی سہولتوں تک رسائی ختم ہو چکی ہے، جس سے لاکھوں خواتین اور لڑکیوں کے لیے طبی سہولیات محدود ہو گئی ہیں، جن میں ہزاروں حاملہ خواتین شامل ہیں جو خطرناک حالات میں بچے کی پیدائش کا سامنا کر رہی ہیں۔

یو این ویمن کے مطابق، 28000 سے زیادہ خواتین اور لڑکیاں ماری جا چکی ہیں جن میں سے کئی مائیں تھیں، جو اپنے پیچھے تباہ حال خاندان اور ماں سے محروم بچے چھوڑ گئیں۔ اس دوران، تقریباً ایک کروڑ خواتین اور لڑکیاں بے گھر ہو چکی ہیں، جو حفاظت کی تلاش میں اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہیں۔

جب اسرائیل اور امریکہ نے ایران پر حملے کیے، تو اسرائیل نے غزہ جانے والے تمام راستے بند کر دیے۔ اگرچہ کچھ راستے جزوی طور پر کھل گئے ہیں، لیکن امداد محدود اور ناکافی ہے اور خوراک کی قلت اور زیادہ قیمتوں کا سلسلہ جاری ہے، جس نے غزہ کو شدید انسانی بحران کی حالت میں رکھا ہوا ہے۔

یہ خواتین ان چیلنجوں اور تکالیف کے بارے میں بتاتی ہیں جن کا انہیں اس کے نتیجے میں سامنا کرنا پڑا ہے۔

نئی نویلی دلہنوں کی زندگی

ہالا کی عمر 20 سال تھی جب اس کی ستمبر 2025 میں اپنی زندگی کی محبت، مہند سے منگنی ہوئی۔ اس جوڑے نے مہینوں تک مل کر اپنے مستقبل کا گھر تیار کیا۔

ہالا کہتی ہیں کہ ’ہم نے ہر چیز مل کر پسند کی، اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجہ دی۔ صوفہ، قالین، پردے، یہاں تک کہ سجاوٹ کی سب سے چھوٹی چیزیں بھی۔ جنگ کے دوران ہم جن حالات سے گزر رہے تھے، اس کے بعد ہم ایک پرسکون گھر بنانا چاہتے تھے۔‘

ان کی شادی 26 دسمبر 2025 کو ہوئی، اس امید کے ساتھ کہ جنگ بندی انہیں ایک پرامن زندگی شروع کرنے کا موقع دے گی۔ لیکن صرف دو ہفتے بعد، انہیں ایک کال موصول ہوئی، جس میں انہیں فوراً گھر خالی کرنے کا انتباہ دیا گیا۔

ہالا یاد کرتی ہیں، 'ہم کچھ سوچے سمجھے بغیر گھر سے باہر بھاگے۔ ہمارا تمام نیا سامان ابھی اندر ہی تھا۔'

ان کا خیال تھا کہ وہ دوبارہ اپنے گھر لوٹ آئیں گے، لیکن جب وہ واپس آئے تو وہاں کچھ نہیں بچا تھا۔ ان کا گھر چار میزائل لگنے کے بعد مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا۔

ان کا کہنا ہے کہ 'جب میں نے ملبہ دیکھا تو مجھے یقین نہیں آیا۔ وہ گھر جو ہم نے اتنی محبت سے بنایا تھا، منٹوں میں غائب ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا کہ جنگ بندی کے بعد شادی کرنے سے مجھے اپنے شوہر کے ساتھ ایک نئی اور محفوظ زندگی ملے گی لیکن میں غلط تھی۔ یہاں کچھ بھی محفوظ محسوس نہیں ہوتا۔'

جنگ کے دوران حمل

25 سالہ ہنا کی شادی جنگ کے دوران ہوئی اور وہ 2024 میں اپنے پہلے بچے کی ماں بننے والی تھیں، جو غزہ کے مشکل ترین ادوار میں سے ایک تھا۔ اس وقت زیادہ تر آبادی کو خوراک کی شدید قلت کا سامنا تھا، اور حاملہ خواتین کے لیے مناسب خوراک کا حصول انتہائی مشکل تھا۔

ہنا کہتی ہیں کہ 'کھانا ڈھونڈنا سب سے بڑی جدوجہد میں سے ایک تھا اور بعض اوقات میں بھوکی ہی سو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وٹامنز بھی دستیاب نہیں تھے، اور مجھ جیسی بہت سی خواتین خون کی کمی کا شکار ہوئیں کیوں کہ ہمیں وہ غذائیت نہیں مل سکی جس کی ہمیں ضرورت تھی۔'

بچے کے لیے تیاری کرنا مشکل تھا۔ وہ کہتی ہیں: 'میں بچے کے کپڑے تلاش کرنے بازار گئی، لیکن وہاں تقریباً کچھ نہیں تھا۔ جو چند چیزیں موجود تھیں وہ اتنی مہنگی تھیں کہ میں انہیں خرید نہیں سکتی تھی۔'

جب انہیں صبح ہونے سے پہلے دردِ زہ شروع ہوا تو ایک اور چیلنج سامنے آ گیا۔ ہنا یاد کرتی ہیں کہ 'وہاں ٹرانسپورٹ کی کوئی سہولت نہیں تھی، اور سکیورٹی کی صورت حال بہت خطرناک تھی۔ ہمیں ایمبولینس بلانی پڑی، لیکن ایمبولینسیں بم دھماکوں میں مصروف تھیں۔'

جب وہ کسی طرح ہسپتال پہنچنے میں کامیاب ہوئیں، تو حالات انتہائی خراب تھے۔ وہ کہتی ہیں: 'وارڈز زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے اور انہوں نے بچے کی پیدائش کے چند گھنٹے بعد ہی مجھے وہاں سے جانے کا کہہ دیا کیوں کہ وہاں کوئی بستر خالی نہیں تھا۔'

خاندان کی تنہا کفالت

33 سالہ دالیہ کے چار چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی بیٹی دانا 12 سال کی ہے۔ اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ادھم ایک سال کا ہے۔ ان کی زندگیاں راتوں رات اس وقت بدل گئیں جب اسرائیلی فوج کی جانب سے مغربی رفح کے علاقے تل السلطان پر حملے کے بعد اس خاندان کو بھاگنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس حملے نے علاقے کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا اور دالیہ کے شوہر محمد سمیت درجنوں فلسطینی مردوں کو بغیر کسی الزام کے گرفتار کر لیا گیا۔

دالیہ یاد کرتی ہیں کہ 'سب کچھ بہت جلدی ہوا۔ ہمیں کچھ بھی لیے بغیر اپنا گھر چھوڑنا پڑا۔ میرے بچے رو رہے تھے اور پوچھ رہے تھے کہ کیا ہو رہا ہے، اور مجھے نہیں معلوم تھا کہ انہیں کیا بتاؤں۔'

اس لمحے سے، دالیہ نے خود کو اکیلے ہی خاندان کا بوجھ اٹھاتے ہوئے پایا۔ وہ اپنے بچوں کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہی، اور آخر کار ایک چھوٹے سے خیمے میں بس گئی جہاں انہوں نے مہینوں تک بے گھری اور شدید غربت میں زندگی گزاری جب اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ابھی صرف چند ماہ کا تھا۔

خیمے کی زندگی مشکل تھی، اور دالیہ شاذونادر ہی اسے چھوڑتی تھیں۔ انہوں نے اپنی تمام تر توجہ اپنے چھوٹے بچوں کی دیکھ بھال اور انہیں اپنے اردگرد کی تلخ حقیقتوں سے بچانے پر مرکوز رکھی۔

وہ کہتی ہیں: 'اچانک، میں ہر چیز کی ذمہ دار بن گئی۔ مجھے ایک ہی وقت میں عورت اور مرد کا کردار ادا کرنا پڑا۔ ہمارے رہنے کے حالات اتنے خوفناک تھے کہ بعض دنوں میں ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ میرے بچے بار بار پوچھتے تھے کہ ان کے والد کب واپس آئیں گے۔ میں نے مضبوط رہنے کی کوشش کی، لیکن میں اندر سے بہت خوفزدہ تھی۔'

جنگ بندی کے بعد، مہینوں کے انتظار کے بعد، محمد کو رہا کر دیا گیا۔ دالیہ اور اس کے بچوں کے لیے یہ خوف کے ایک طویل سال کا اختتام تھا۔ ہر کوئی اتنا خوش قسمت نہیں رہا۔

وہ کہتی ہیں کہ 'جب بالآخر جنگ بندی کے بعد اسے رہا کیا گیا، تو ایسا لگا جیسے زندگی ہمارے پاس دوبارہ لوٹ رہی ہے۔ میرے بچے بھاگ کر اس کے گلے لگ گئے، اور

مہینوں میں پہلی بار، مجھے لگا کہ ہم دوبارہ سانس لے سکتے ہیں۔'

دالیہ ایران اور اسرائیل کے درمیان بڑھتی ہوئی کشیدگی کے حوالے سے اپنے خوف کی وضاحت کرتی ہے۔

دالیہ کے بقول: 'جب بھی میں خبروں میں اس کے بارے میں سنتی ہوں تو میرا دل بیٹھ جاتا ہے۔ یہ مجھے اس خوفناک ماضی کی طرف لے جاتا ہے جس میں، میں نے زندگی گزاری تھی۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے بچوں کو دوبارہ اسی خوف سے گزرنا پڑے گا جس کے بارے میں ہم نے سوچا تھا کہ ہم اس سے بچ نکلے ہیں۔'

28 سالہ حنین کی شادی 35 سالہ محمد سے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے جب اسے 2025 میں پتا چلا کہ وہ حاملہ ہے۔

حنین کا کہنا ہے کہ 'ہم پانچ سال سے بچے کے لیے کوشش کر رہے تھے اور ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ جب میں نے محمد کو بتایا کہ میں حاملہ ہوں، تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اس دن کے بارے میں مسلسل بات کرتا رہا جب ہمارا بچہ اسے بابا کہہ کر بلائے گا۔'

لڑائی کے عارضی خاتمے کے ساتھ ہی، حنین اور محمد نے اپنے بچے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ یاد کرتی ہیں کہ 'محمد اس وقت بہت خوش تھا جب ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارا بچہ ایک لڑکا ہے۔ اس نے بچے کا نام حسن رکھا اور اس کے لیے کپڑے بھی خریدے۔'

انہوں نے گھر کو سجایا، بچے کا سامان خریدا، اور ایک ایسے مستقبل کا تصور کیا جو خاندان، محبت، اور سکیورٹی سے بھرا ہو۔

پھر ایک دن قیامت ٹوٹ پڑی جب محمد کام پر جا رہا تھے اور قریبی علاقے میں ایک حملہ ہوا۔ حالیہ جنگ بندی اور اس سے پیدا ہونے والے تحفظ کے احساس کے باوجود، یہ ہونے والا باپ موقع پر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

حنین اکیلی رہ گئی تھیں، اور ان کے پیٹ میں بچہ تھا۔ بچے کی توقع کی خوشی غم میں بدل گئی کیوں کہ اسے اپنے بچے کے باپ کے بغیر ماں بننے کا سامنا تھا۔

حنین کے بقول: 'اب میں اپنے بچے کے باپ کے بغیر اس کے پیدا ہونے کا انتظار کر رہی ہوں۔ میرا بیٹا دنیا میں آنے سے پہلے ہی یتیم ہو گیا تھا۔'

ایک ماں کا نقصان

50 سالہ رغدہ چار بیٹوں اور چار بیٹیوں کی ماں ہے۔ 2024 میں، اس کے گھر پر بغیر کسی پیشگی اطلاع کے بمباری کی گئی۔

رغدہ نے کہا کہ 'ایک ہی لمحے میں، میں نے اپنے دو بیٹوں کو کھو دیا۔ ہم سب گھر میں جمع تھے، اپنی بیٹیوں کی شادی کی منصوبہ بندی کر رہے تھے، جن کی نئی نئی منگنی ہوئی تھی، کہ اچانک ایک میزائل گھر سے ٹکرا گیا۔'

رغدہ بچ گئیں، لیکن اس کے بیٹے ابراہیم اور احمد زندہ نہ بچ سکے۔ اس حملے میں اس کی دو بیٹیوں کے منگیتر بھی مارے گئے۔

وہ کہتی ہیں، 'میں اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی دیکھنے، اور اپنے پوتوں اور نواسوں کو گود میں لینے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ وہ تمام خواب ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔ کسی بھی ماں کو کبھی اپنے دل کے ٹکڑے کو اس طرح دفن نہ کرنا پڑے۔'

بزرگ ماں

67 سالہ اکتمال ایک بیوہ ہے جو ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر اور دمہ کی بیماریوں سے لڑ رہی ہے اور اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مشکلات میں گزارا ہے۔ سات بیٹیوں کی ماں، جو سب شادی شدہ اور اپنے بچوں والی ہیں، اکتمال کو کبھی اپنے گھر میں خوشی اور طاقت ملتی تھی، جہاں وہ اپنے خاندان کو جمع کرتی، یادیں شیئر کرتی، اور اپنے نواسے نواسیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔

جب اسرائیلی قبضے نے رفح کا کنٹرول سنبھال لیا، تو اکتمال کو اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب وہ المواسی کے قصبے میں ایک چھوٹے سے خیمے میں رہتی ہے۔

اکتمال کہتی ہیں کہ 'میرے گھر میں میری تمام یادیں محفوظ تھیں۔ میں نے وہاں اپنی سات بیٹیوں کی پرورش کی۔ میں نے اس گھر میں انہیں بڑے ہوتے، سیکھتے، اور ان کی شادیاں ہوتے دیکھا۔'

اب ان کی بیٹیاں الگ خیموں میں رہتی ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ 'میں اب انہیں شاذونادر ہی دیکھ پاتی ہوں کیوں کہ ہر ایک کو ہر روز اپنی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات میں اکیلی بیٹھتی ہوں اور ان دنوں کو یاد کرتی ہوں جب ہمارا گھر میری بیٹیوں اور نواسے نواسیوں کی آوازوں سے گونجتا تھا۔

'میں ان سب کو ایک ساتھ دوپہر کے کھانے پر بلاتی تھی تاکہ ان کی ہنسی کی آواز سے لطف اندوز ہو سکوں۔ میں اس گھر میں 30 سال سے زیادہ عرصے تک رہی؛ اس نے میری جوانی سے لے کر اب تک کے تمام لمحات اور یادوں کو دیکھا تھا۔ اسے ملبے کے ڈھیر میں دیکھ کر میرے دل میں درد ہوتا ہے۔'

ان کی روزمرہ زندگی اب ایک جدوجہد ہے۔ اس کی صحت کی حالت معمولی کاموں کو بھی تھکا دینے والا بنا دیتی ہے، اور مناسب دیکھ بھال اور مدد کی کمی اس کی تکلیف میں اضافہ

کرتی ہے۔ وہ اس گھر کے لیے ترستی ہیں جس نے کبھی ان کے خاندان کو جوڑے رکھا تھا اور وہ نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی یادوں کا غم مناتی ہیں بلکہ ان پرسکون محفلوں کا بھی سوگ مناتی ہے جو کبھی اس کے خاندانی گھر میں ہوا کرتی تھیں۔

تعلیم اور خودمختاری کو تھامے رکھنا

30 سالہ ختام دو چھوٹے بچوں، نو سالہ احمد اور سات سالہ یوسف، کی طلاق یافتہ ماں ہیں۔ وہ ایک چھوٹے سے خیمے میں اپنے بچوں کے ساتھ اکیلی رہتی ہیں۔

اپنے اردگرد موجود خطرات کے باوجود، وہ روزانہ مختلف تنظیموں کے ساتھ ایک نفسیاتی مشیر کے طور پر کام کرنے کے لیے باہر نکلتی ہے، تاکہ جنگ سے متاثرہ افراد کی مدد کر سکے اور ساتھ ہی اپنے خاندان کی کفالت کر سکے۔

ختام کہتی ہیں کہ 'میں نے اپنے بچوں کو جنگ سے شکست خوردہ محسوس کرنے دینے سے انکار کر دیا۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کا ایک مستقبل ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ دیکھیں کہ مشکل ترین حالات میں بھی ہمیں آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ میں اپنے بچوں کی کفالت کرنے اور انہیں دوبارہ خوش کرنے کے لیے دن رات محنت کرنے کو تیار ہوں۔'

ختام نے اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لیے بیرون ملک سکالرشپس کے لیے درخواست دی اور اسے آن لائن ماسٹرز ڈگری کرنے کے لیے مکمل سکالرشپ سے نوازا گیا۔ وہ اب کام، مطالعہ اور اکیلے اپنے بچوں کی پرورش کے درمیان توازن برقرار رکھتی ہے، جو غزہ کی خواتین کی لچک اور ہمت کی زندہ مثال ہے۔

وہ کہتی ہیں کہ 'یہ سکالرشپ میرے لیے امید کی کرن ہے۔ یہ مجھے یاد دلاتی ہے کہ جنگ کی وجہ سے ہماری زندگیاں ختم نہیں ہوتیں۔ میں اب بھی سیکھ سکتی ہوں، کام کر سکتی ہوں اور ایک متاثر کن ماں بن سکتی ہوں؛ وہ جو کچھ بھی کریں، میں کوشش کرنا کبھی نہیں چھوڑوں گی۔'

اس کے ساتھ ہی، ختام ایران اور اسرائیل کے درمیان حالیہ صورت حال سے اپنے بڑھتے ہوئے خوف کی وضاحت کرتی ہے۔

ختام کے مطابق: 'ایک ماں کی حیثیت سے، مجھے اس بات کی فکر ہے کہ آگے کیا ہو سکتا ہے۔ جب میں ایران اور اسرائیل کے درمیان کشیدگی کے بارے میں سنتی ہوں، تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ غزہ کی صورت حال اس سے بھی زیادہ خراب ہو سکتی ہے۔

'میں اپنے بچوں کے لیے پچھلے دو سالوں میں گزری ہوئی چیزوں کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کر رہی ہوں، لیکن اگر یہاں صورتحال مزید بگڑتی ہے، تو مجھے نہیں معلوم کہ میں دوبارہ زندہ رہنے کے لیے کیا کروں گی۔'

صفر سے دوبارہ شروعات

36 سالہ نور انگریزی تعلیم کی گریجویٹ اور جڑواں بچوں سارہ اور بسام کی ماں ہیں۔ جنگ کے دوران، اس نے ایک صحافی کے طور پر چھ ماہ تک غزہ کی صورت حال کی کوریج کی۔

نور کہتی ہیں کہ 'وہ چھ مہینے میری زندگی کے مشکل ترین مہینوں میں سے تھے۔ غزہ میں ہونے والے واقعات کی رپورٹنگ کرتے ہوئے مجھے اپنے بچوں کو پیچھے چھوڑنا پڑا۔ ایک ماں کی حیثیت سے، یہ بے حد تکلیف دہ تھا۔'

جنگ سے پہلے، نور نے روح کے نام سے کاسمیٹکس کا کاروبار کھڑا کیا تھا، جسے انہوں نے 2015 میں آن لائن شروع کیا تھا۔ جیسے جیسے اس کے گاہکوں میں اضافہ ہوا، اس نے غزہ میں ایک چھوٹا سا سٹور کھولا اور آخرکار 2022 میں الرمال کے علاقے میں ایک مرکز قائم کر کے اسے مزید وسعت دی۔

نور بتاتی ہیں: 'روح میرے لیے کبھی بھی صرف ایک سٹور نہیں تھا۔ یہ غزہ میں خواتین کے لیے ایک چھوٹی سی کمیونٹی کی طرح محسوس ہوتا تھا۔ مجھے اس کی ہر ایک تفصیل کا بہت خیال تھا۔'

افسوس کہ جنگ کے دوران ان کے سٹور پر بمباری کی گئی اور اسے جلا دیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ 'جب میں نے دیکھا کہ سٹور کے ساتھ کیا ہوا، تو میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں نے اسے اپنی محنت سے قدم بہ قدم کھڑا کیا تھا، اور اسے کھونے سے مجھ پر گہرا اثر پڑا۔'

اس تباہی کے باوجود نور اسے دوبارہ کھڑا کرنے کے لیے پرعزم ہیں۔ وہ دوبارہ روح کو آن لائن چلانے کی طرف لوٹ آئی ہے، اور ان مصنوعات کی فراہمی جاری رکھنے کی ذمہ داری محسوس کرتی ہے جن پر اس کے گاہک بھروسہ کرتے ہیں اور وہ اپنے خواب سے پیچھے ہٹنے سے انکار کرتی ہے۔

وہ کہتی ہیں 'مجھے معلوم ہے کہ دوبارہ شروع کرنا مشکل ہوگا لیکن میں نے محسوس کیا کہ واپس آنا میری ذمہ داری ہے، اور میں اپنے خواب سے دستبردار نہیں ہوں گی، چاہے مجھے صفر سے سب کچھ دوبارہ تعمیر کرنا پڑے۔ چاہے کچھ بھی ہو، ہمیں اپنے خوابوں سے جڑے رہنا چاہیے، چیزوں کے بکھرنے پر انہیں دوبارہ بنانا چاہیے، اور آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔'

[بشکریہ: انڈیپنڈنٹ اردو]

سیاسی تجزیہ: محسن محمد صالح

اسرائیل اور اتحادوں کی مسدس۔۔ مقاصد اور اثرات

محسن محمد صالح کا یہ تجزیہ نیتن یاہو کی ''اتحادوں کی مسدس'' (Hexagon of Alliances) کی حکمتِ عملی اور اس کے مشرقِ وسطیٰ پر اثرات کا احاطہ کرتا ہے۔ ذیل میں اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو کے مشرقِ وسطیٰ کے اندر یا اس کے گرد ایک اتحاد یا ''اتحادوں کی مسدس'' کے قیام سے متعلق ریمارکس محض اتفاقی نہیں تھے۔ اس کے برعکس یہ الفاظ انتہائی احتیاط کے ساتھ ترتیب دیے گئے تھے اور ہفتہ وار حکومتی اجلاس کے آغاز میں کہے گئے تھے۔ یہ ایک دانستہ انتخاب تھا جس کا مقصد اس بیان کو سرکاری حیثیت اور تزویراتی (Strategic) اہمیت دینا تھا۔ ایسا کر کے انہوں نے اس بات کو یقینی بنایا کہ اس پیغام کو مقامی اور بین الاقوامی میڈیا میں بھرپور توجہ ملے۔

مزید برآں، نیتن یاہو نے اس وژن کو بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی کے متوقع دورے کے اعلان سے عین قبل مستقبل کے ایک تزویراتی فریم ورک کے طور پر پیش کیا۔

پس منظر:

''علاقائی حدود'' (Periphery) کا نظریہ

نیتن یاہو کا تجویز کردہ فریم ورک اسرائیل کے پہلے وزیر اعظم ڈیوڈ بن گوریان سے منسوب ایک پرانے سیکیورٹی نظریے کی بازگشت ہے، جو 1950ء کی دہائی کا ہے:

یعنی ''پیریفری ڈاکٹرائن'' (Periphery Doctrine) جسے ''حدود کو کھینچنے'' کی حکمتِ عملی بھی کہا جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر کا مقصد مرکزی عرب ریاستوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مشرقِ وسطیٰ کی غیر عرب علاقائی طاقتوں اور اقلیتی گروہوں کے ساتھ اتحاد قائم کرنا تھا تاکہ پڑوسی عرب ریاستوں کو گھیرے میں لے کر کمزور کیا جا سکے۔

تاریخی طور پر اس نظریے میں ترکیہ، ایران اور ایتھوپیا کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے ساتھ ساتھ بلادِ شام (شام، اردن، فلسطین اور لبنان)، عراق، جنوبی سوڈان اور شمالی افریقہ کی اقلیتی برادریوں کو ساتھ ملانے پر زور دیا گیا تھا۔ اس کی تزویراتی منطق یہ تھی کہ علاقائی اداکار داخلی فرقہ وارانہ اور نسلی تنازعات میں الجھ جائیں گے، جس سے عرب تزویراتی ماحول منتشر ہو جائے گا اور اسرائیلی قبضے کے خلاف مزاحمت سے توجہ ہٹ جائے گی۔

یہ حکمتِ عملی بڑی حد تک ناکام رہی، خاص طور پر ایران میں شاہ کے زوال اور اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد اور ترکیہ کے سیاسی منظر نامے میں قدامت پسند اسلامی تحریکوں کے ابھار کے ساتھ کامیابی نہ مل سکی۔ اس کے باوجود اسرائیل نے مصر، اردن، فلسطینی قیادت اور بعد میں متحدہ عرب امارات، بحرین، مراکش اور سوڈان کے ساتھ نارملائزیشن (تعلقات کی بحالی) کے معاہدوں کے ذریعے ان نقصانات کی تلافی کی۔ نتیجے کے طور پر اب ''حدود کو کھینچنے'' کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی کیوں کہ ''مرکز'' (Core) کو مؤثر طریقے سے رام کر لیا گیا تھا اور وہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا تھا۔

یہ صورت حال سوالات پیدا کرتی ہے کہ نیتن یاہو اب عوامی سطح پر اس خیال کو کیوں آگے بڑھا رہے ہیں؟ اور اس طرح کے منصوبے کی سنجیدگی اور عملی فزیبلٹی کیا ہے؟

کیا کوئی ''شدت پسند سنی محور'' وجود رکھتا ہے؟

کوئی بھی معروضی مطالعہ یا باریک بینی سے جائزہ لینے پر ابھرتے ہوئے ''سنی بنیاد پرست محور'' کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ جو چیز سامنے آئی ہے وہ محض سعودی عرب، پاکستان اور ترکیہ کے درمیان ایک قسم کی ہم آہنگی کا عمل ہے۔ یہ وہ ریاستیں ہیں جو عام طور پر:

''اعتدال پسند'' دھارے سے وابستہ ہیں اور سیاسی اسلام کی پیروکار نہیں ہیں۔

تزویراتی طور پر امریکہ کے قریب ہیں۔

امن عمل اور دو ریاستی حل کی پرزور حامی ہیں، جب کہ سعودی عرب اور پاکستان اسرائیل کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کے لیے اس صورت میں آمادہ ہیں

اگر اسرائیل اس فریم ورک کی پابندی کرے۔

غزہ کی پٹی کے لیے ٹرمپ کے منصوبے کے کلیدی حامی ہیں۔

فلسطینی لبریشن آرگنائزیشن (PLO) کی قیادت اور رام اللہ میں فلسطینی اتھارٹی (PA) کے حامی ہیں اور حماس پر اوسلو معاہدوں اور امن عمل کی تعمیل کے لیے زور دیتے ہیں تاکہ وہ فلسطینی انتخابات میں حصہ لے سکے اور PLO میں شامل ہو سکے۔ نیز، وہ فلسطینی اتھارٹی کی نگرانی میں حماس کے غیر مسلح ہونے کی حمایت کرتے ہیں (جیسا کہ 28-30 جولائی 2025ء کی دو ریاستی حل پر بین الاقوامی کانفرنس اور 12 ستمبر 2025ء کے نیو یارک اعلامیہ میں ظاہر ہوا)۔

اسرائیل کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہیں اور اس کے ساتھ تنازع میں شامل ہونے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

عملی لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا بلاک یا سیاسی اتحاد یا ''شدت پسند'' تشکیل سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ لہٰذا نیتن یاہو کے دعوے ایک من گھڑت اور لغو افسانہ ہیں۔

بڑھتی ہوئی علاقائی تشویش:

غزہ کی پٹی میں اسرائیلی بربریت اور جاری نسل کشی نے علاقائی ریاستوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی ہے۔ ان ممالک میں بھی (جو نارملائزیشن کی طرف مائل تھے) یہ سنگین سوالات اٹھ رہے ہیں کہ کیا ایسے سیاسی نظام کے ساتھ ''امن بستی'' یا تعلقات کی استواری ممکن یا پائیدار ہے؟ اس تشویش میں اسرائیلی سیکیورٹی ڈاکٹرائن کی حالیہ تبدیلیوں نے مزید اضافہ کیا ہے جو اب کھلے عام اور جارحانہ انداز میں پورے خطے پر اپنی بالادستی مسلط کرنے اور تمام اداکاروں کو ایک ''اسرائیلی عہد'' میں دھکیلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اب مطلوبہ امن عمل شراکت داری یا برابری پر مبنی نہیں رہا بلکہ یہ ایک اسرائیلی ''آقا'' اور عرب ''پیروکار'' کی حرکیات پر مبنی ہے۔

مزید برآں ٹرمپ کے دور میں امریکی رویے نے اس غیر یقینی صورتحال کو مزید ہوا دی ہے کیوں کہ ان کا عملی نقطہ نظر ''طاقت اور مفاد'' کو ترجیح دیتا ہے اور وہ ایک ایسی صیہونی ایونجلیکل (Zionist Evangelical) عالمی سوچ رکھتے ہیں جو بین الاقوامی اصولوں، قوانین اور مشترکہ معاہدوں کو خاطر میں نہیں لاتی۔ ''ایران پر حملے'' کے بعد کے مرحلے سے پیدا ہونے والا اضافی خوف خطے کی مکمل محکومی کا خدشہ پیدا کر رہا ہے۔

اس تشویش کا اظہار سعودی عرب کی جانب سے نارملائزیشن کی معطلی یا سست روی اور تزویراتی خلا کو پُر کرنے اور مشترکہ مفادات کے تحفظ کے لیے سعودی عرب، پاکستان اور ترکیہ کی مربوط کوششوں میں ہوا ہے۔ مصر، سعودی عرب اور دیگر ریاستوں نے بھی اپنے اسلحے کے ذرائع میں تنوع لانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ نتیجے کے طور پر ان ممالک کے درمیان معمولی سی ہم آہنگی بھی اسرائیل کے لیے ''خطرہ'' (Red Light) بننے کے لیے کافی ہے، خاص طور پر ایسے تناظر میں جہاں وہ مکمل علاقائی تسلط چاہتا ہے۔

نیتن یاہو کے اہداف:

نیتن یاہو نے جس ''محور'' کا حوالہ دیا اس میں بھارت، یونان، قبرص اور چند نامعلوم افریقی و ایشیائی ممالک شامل ہیں۔ ایتھوپیا افریقی ریاست کے لیے ایک ممکنہ امیدوار ہے جب کہ دوسروں کی شناخت محض قیاس آرائی ہے۔ بعض مصرین کا خیال ہے کہ زیرِ بحث عرب ملک وہ خلیجی ریاست ہے جو اسرائیل کے ساتھ مضبوط تعلقات اور اس کے علاقائی ایجنڈے کے ساتھ گہری ہم آہنگی کے لیے مشہور ہے۔

نیتن یاہو کے اس ''مسدس محور'' کے اعلان کی تشریح درج ذیل نکات کی روشنی میں کی جا سکتی ہے:

1. داخلی امیج سازی: وہ خود کو اسرائیلی عوام کے سامنے ایک دور اندیش لیڈر کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ''طوفان الاقصیٰ'' اور لبنان (حزب اللہ)، یمن (انصار اللہ) اور ایران کے خلاف جنگوں میں اپنے کردار کے بعد خود کو اسرائیل کے ''ہیرو اور نجات دہندہ'' کے طور پر منوا سکیں۔
2. بین الاقوامی تنہائی کا خاتمہ: اسرائیل عالمی سطح پر ایک ''اچھوت'' (Pariah) ریاست بن چکا ہے۔ نیتن یاہو عوام کو یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ اس تنہائی کو توڑنے اور ایسے علاقائی اتحاد بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو بیرونی خطرات کا مقابلہ کر سکیں۔
3. دشمن کی ''تیاری'' (Manufacturing): کسی حقیقی حریف یا فوری خطرے کے بغیر بھی نیتن یاہو کو داخلی اتحاد برقرار رکھنے، اپنی قیادت کا جواز پیش کرنے، اسرائیل کی جارحیت کو جائز قرار دینے اور امن عمل (بشمول دو ریاستی حل) کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کے لیے ایک ''دشمن'' گھڑنے کی ضرورت ہے۔
4. وجود کا خوف (Existential Anxiety): یہ اعلان ''طوفان الاقصیٰ'' سے پیدا ہونے والی اس وجودی بے چینی اور گہرے ''سیکیورٹی کمپلیکس'' کی عکاسی کرتا ہے جو صہیونی ذہنیت میں رچ بس گیا ہے۔ یہ اسرائیلی سیکیورٹی ڈاکٹرائن کے اس ارتقا کو ظاہر کرتا ہے جہاں اب توجہ ''دھمکی کے ذریعے روک تھام'' کے بجائے ''تباہی کے ذریعے روک تھام'' پر ہے اور وہ مشرقِ وسطیٰ کو خطے کی حقیقتوں کے مطابق ڈھالنے کے بجائے اسرائیلی مفادات کے مطابق دوبارہ تشکیل دینا چاہتے ہیں۔

اس بے چینی کی مثال نیتن یاہو کا یہ دعویٰ ہے کہ اسرائیل سات محاذوں پر لڑ رہا ہے جب کہ امریکہ کے اسرائیل میں سفیر مائیک ہکابی نے واضح کیا کہ مصر اور اردن بھی ان محاذوں میں شامل ہیں، صرف اس لیے کہ وہاں ''اخوان المسلمون'' موجود ہے۔ یہ دعویٰ اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے کہ مصر میں اخوان کو کچل دیا گیا ہے، اردن میں انہیں حاشیے پر لگا دیا گیا ہے اور دونوں ممالک اسرائیل کے ساتھ نارملائزیشن اور امن عمل کے پابند ہیں۔

5. ذہنی الجھن اور عدم توازن: نیتن یاہو کی سوچ تضادات کا شکار ہے۔ وہ دوست اور نارملائزیشن کی حامی ریاستوں کو غلط رنگ میں پیش کر کے انہیں خود سے دور کرنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے ان کا مقصد ممکنہ علاقائی شراکت داروں پر سیاسی دباؤ ڈالنا ہو تاکہ وہ امریکہ-اسرائیل بالادستی سے آزاد پالیسیاں نہ اپنا سکیں، لیکن عملی طور پر یہ حکمتِ عملی ان کے خدشات کو بڑھاتی ہے اور اسرائیل کو ایک ناقابلِ اعتبار اور ممکنہ دشمن کے طور پر بے نقاب کرتی ہے۔

نیتن یاہو کی پالیسی دراصل ان ممالک کو اسرائیل کے قریب لانے کے بجائے انہیں ایک دوسرے کے قریب لا رہی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ممالک جو اسرائیل سے تعلقات بہتر کرنا چاہتے تھے، اب اپنی عوامی رائے اور قومی سلامتی کے پیشِ نظر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

1. پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب کا ابھرتا ہوا تعاون

تجزیہ کار کے مطابق اسرائیل کو اصل تشویش ان تینوں ممالک کے درمیان بڑھتی ہوئی ہم آہنگی سے ہے۔

پاکستان اور ترکیہ: دفاعی شعبے میں ان کا تعاون (جیسے ڈرون ٹیکنالوجی اور بحری جہازوں

کی تیاری) پہلے ہی بہت مضبوط ہے۔

سعودی عرب کی شمولیت: حالیہ برسوں میں سعودی عرب نے اپنی معیشت اور دفاع کو محض امریکہ پر منحصر رکھنے کے بجائے پاکستان اور ترکیہ کے ساتھ دفاعی اور تزویراتی تعلقات کو وسعت دی ہے۔

2. بھارت کا کردار اور اسرائیلی مفادات

نیتن یاہو نے بھارت کا تذکرہ خاص طور پر اس لیے کیا ہے کیونکہ بھارت کی پاکستان کے ساتھ روایتی حریفانہ تاریخ ہے۔ اسرائیل چاہتا ہے کہ بھارت کو اس نئے اتحاد میں شامل کر کے پاکستان پر دباؤ بڑھایا جائے، تاکہ پاکستان مشرقِ وسطیٰ کے معاملات (خاص طور پر فلسطین کے حق میں) زیادہ فعال کردار ادا نہ کر سکے۔

3. کیا یہ ''مسدس'' کامیاب ہوسکتا ہے؟

پروفیسر محسن محمد صالح کے مطابق اس کی کامیابی کے امکانات کم ہیں کیونکہ:

معاشی مفادات: یونان، بھارت اور ایتھوپیا جیسے ممالک کے عرب ممالک کے ساتھ گہرے معاشی مفادات وابستہ ہیں۔ وہ اسرائیل کی خاطر اپنی بڑی منڈیوں (عرب دنیا) کو خطرے میں نہیں ڈالیں گے۔

عوامی دباؤ: غزہ میں جاری نسل کشی نے ان ممالک کے اندر بھی عوامی سطح پر اسرائیل کے خلاف شدید نفرت پیدا کی ہے، جس کی وجہ سے ان کی حکومتوں کے لیے اسرائیل کے ساتھ ''کھلا اتحاد'' بنانا سیاسی طور پر خودکشی کے مترادف ہوگا۔

1. پاکستان کی موجودہ خارجہ پالیسی اور ممکنہ ردِعمل

پاکستان کی خارجہ پالیسی اس وقت ایک نازک موڑ پر ہے جہاں وہ اپنے تزویراتی (Strategic) مفادات اور اصولی موقف کے درمیان توازن برقرار رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔

نارملائزیشن پر دوٹوک موقف: پاکستان نے بارہا یہ واضح کیا ہے کہ جب تک فلسطینیوں کو 1967 سے پہلے کی سرحدوں کے مطابق ایک آزاد ریاست نہیں ملتی جس کا دارالحکومت القدس (یروشلم) ہو، وہ اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا۔ نیتن یاہو کے حالیہ دعوے پاکستان کے اس موقف کو مزید مستحکم کریں گے کیونکہ عوامی سطح پر اسرائیل کے خلاف شدید غم و غصہ پایا جاتا ہے۔

بھارت-اسرائیل گٹھ جوڑ کا مقابلہ: نیتن یاہو کا بھارت کو اپنے ''مسدس'' میں شامل کرنا پاکستان کے لیے براہ راست سیکورٹی خطرہ ہے۔ پاکستان اس کا جواب ترکیہ اور سعودی عرب کے ساتھ اپنے دفاعی اور سفارتی تعلقات کو مزید مضبوط کر کے دے گا۔ حالیہ برسوں میں پاکستان، ترکیہ اور سعودی عرب کے درمیان سہ فریقی تعاون (Trilateral Cooperation) میں اضافہ ہوا ہے جو اسرائیل کے توسیعی عزائم کے خلاف ایک دفاعی دیوار ثابت ہوسکتا ہے۔

تزویراتی خودمختاری: نیتن یاہو کے بیانات پاکستان کو مجبور کریں گے کہ وہ مشرقِ وسطیٰ میں ''بلاک سیاست'' سے بچنے کے بجائے اپنے روایتی اسلامی اتحادیوں کے ساتھ مل کر ایک ایسا بلاک بنائے جو اسرائیل کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو روک سکے۔

2. مصر اور اردن پر اثرات اور ان کے خدشات

مصر اور اردن وہ دو ممالک ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدے کیے تھے، لیکن نیتن یاہو کی نئی پالیسی ان کے لیے "وجود کا خطرہ" بنتی جا رہی ہے۔

مصر کے خدشات:

ایتھوپیا کا عنصر: نیتن یاہو نے جس "افریقی ریاست" کا ذکر کیا ہے وہ غالباً ایتھوپیا ہے۔ مصر اور ایتھوپیا کے درمیان ''نہضہ ڈیم'' (GERD) پر شدید تنازع ہے۔ اسرائیل کا ایتھوپیا کے ساتھ اتحاد مصر کے لیے پانی کی سلامتی (Water Security) کا مسئلہ پیدا کر سکتا ہے۔

غزہ اور سینا: اسرائیل کی جانب سے غزہ کے فلسطینیوں کو مصر کے جزیرہ نما سینا میں دھکیلنے کی کسی بھی کوشش کو مصر اپنی قومی سلامتی پر حملہ تصور کرتا ہے۔ نیتن یاہو کی جارحانہ پالیسی نے دہائیوں پرانے ''امن معاہدے'' کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

اردن کے خدشات:

متبادل وطن کا نظریہ: اردن میں ایک بڑی تعداد فلسطینی پناہ گزینوں کی ہے۔ اسرائیلی دائیں بازو کے رہنما اکثر ''اردن ہی فلسطین ہے'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ اردن کو خوف ہے کہ نیتن یاہو کا نیا وژن اردن کی ہاشمی سلطنت کے استحکام کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

مقدس مقامات کی تولیت: مسجدِ اقصیٰ اور دیگر مقدس مقامات کی نگرانی اردن کے پاس ہے۔ اسرائیل کی جانب سے وہاں جمود (Status Quo) کو تبدیل کرنے کی کوششیں اردن کے لیے سرخ لکیر ہیں۔

حاصلِ کلام:

نیتن یاہو کا مقصد کم از کم جزوی طور پر، ایک ایسی ''تزویراتی توازن'' (Strategic Balancing) کی صورتحال پیدا کرنا ہوسکتا ہے جس میں بھارت کے ذریعے پاکستان کا، یونان اور قبرص کے ذریعے ترکیہ کا اور ایتھوپیا کے ذریعے مصر کا مقابلہ کیا جاسکے۔ تاہم، یہ امکان کم ہے کہ یہ ممالک بالکل نئے اقدامات کی پیروی کریں گے، کیوں کہ ان میں سے اکثر پہلے ہی ایسی پالیسیاں اپنائے ہوئے ہیں جو اس نام نہاد محور کی تشکیل سے بھی پہلے کی ہیں۔ جو چیز نئی ہوسکتی ہے وہ ان کے درمیان ہم آہنگی کے طریقہ کار کا قیام ہے، جب کہ اسرائیل علاقائی دشمنیوں کو ہوا دینے اور کسی بھی ممکنہ (عرب-اسلامی) معاہدوں کو قبل از وقت ناکام بنانے کی کوشش کرے گا۔

اس کے باوجود یہ ممالک اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ وہ کوئی حقیقی ''گھیراؤ'' کر سکیں۔ عرب اور مسلم دنیا کے ساتھ ان کے متعدد مشترکہ مفادات وابستہ ہیں، اور اس بات کا امکان نہیں ہے کہ وہ اس کے خلاف تنازعات میں شامل ہوں گے۔ مزید برآں یہ بھی بعید از قیاس ہے کہ وہ ایسے کھلے اتحادوں میں شامل ہوں جو ان کے اپنے ایجنڈوں کو اسرائیلی ہدایات کے تابع کر دیں۔ اس لحاظ سے نیتن یاہو کی زیادہ تر بیان بازی مبالغہ آرائی اور قیاس آرائی پر مبنی معلوم ہوتی ہے، تاہم احتیاط، تدبر اور پیشگی حفاظتی اقدامات بہرحال ناگزیر ہیں۔

مجموعی طور پر نیتن یاہو کے یہ اقدامات ممکنہ شراکت داروں اور اتحادیوں کے خدشات میں اضافے کا باعث بنیں گے جب کہ خطے میں صیہونی منصوبے کی مخالفت کے دائرے کو وسیع کریں گے، یہاں تک کہ وہ ''اعتدال پسند'' ریاستیں بھی متاثر ہوں گی جن کے امریکہ کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔ یہ صورتحال تمام عرب ریاستوں کے لیے اس امر کو ضروری بناتی ہے کہ وہ اسرائیل کے ساتھ امن عمل اور نارملائزیشن کے سودمند ہونے کا جامع جائزہ لیں اور عرب و اسلامی قومی سلامتی کی ترجیحات پر نظرِ ثانی کریں۔ یہ اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ فلسطینی مزاحمت اور فلسطینی عوام کی استقامت کو امتِ مسلمہ کے لیے دفاع کی ایک مرکزی اور تزویراتی لکیر کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔

خصوصی رپورٹ: علی ابو نیمہ

عرب حکام نے کس طرح نسل کش اسرائیل پر جوا کھیلا اور شکست کھائی

28 فروری کو ایران پر امریکہ اور اسرائیل کی جنگ کے آغاز سے اب تک ایرانی عوام ایک ہولناک جارحیت کا سامنا کر رہے ہیں۔ حملہ آور اس امید پر ہسپتالوں، سکولوں اور دیگر شہری انفراسٹرکچر پر بمباری کر رہے ہیں کہ وہ ان کے عزم کو توڑ سکیں گے۔ انہوں نے تہران سے اصفہان تک کے تاریخی ثقافتی مقامات کو نقصان پہنچایا ہے، جبکہ تیل کے ڈپوؤں پر حملوں نے آسمان کو زہریلے دھوئیں سے بھر دیا ہے۔

اب تک 1,300 سے زائد افراد ہلاک اور 15,000 سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ اس جانی نقصان کے باوجود، ایرانی عوام اور رہنما حملے کی مخالفت میں سالانہ یومِ قدس کے مارچ کے لیے بڑی تعداد میں باہر نکلے۔ ایران اپنی طرف سے پورے خطے میں اسرائیلی اہداف اور امریکی اڈوں کے خلاف تباہ کن جوابی کارروائی جاری رکھے ہوئے ہے۔

جیسے جیسے جنگ آگے بڑھ رہی ہے، ایک گہرا سوال پوچھنا ضروری ہے: وہ کون سی پالیسیاں ہیں جو خطے کے ممالک اور عوام کو حقیقی معنوں میں تحفظ فراہم کر سکتی ہیں؟

اس وقت دو بالکل مختلف نظریات آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ ایک طرف وہ عرب ریاستیں ہیں جنہوں نے اپنی تقدیر امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ جوڑ دی ہے اور دوسری طرف ایران ہے جس کا مؤقف ہے کہ اسرائیل اور امریکہ کو خطے میں مدعو کرنا ہی عدم استحکام اور جنگ کا باعث بنتا ہے۔

میں نے 12 مارچ کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی اس قرارداد پر بھی بات کی جس میں ایران کے جوابی حملوں کی مذمت کی گئی، لیکن جاری امریکہ۔اسرائیلی حملوں اور ایرانی رہنما آیت اللہ علی خامنہ ای کے قتل کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔

اسرائیل کی حفاظت پر فخر

عرب حکام کی سوچ کی ایک واضح جھلک جولائی 2024ء میں ایسپن سیکیورٹی فورم میں واشنگٹن پوسٹ کے کالم نگار ڈیوڈ اگنیشس اور بحرین کے قومی سلامتی کے مشیر ناصر بن حمد آل خلیفہ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے ملتی ہے۔ بحرین امریکی پانچویں بیڑے (5th Fleet) کے ہیڈ کوارٹر کی میزبانی کرتا ہے اور ان عرب ریاستوں میں شامل تھا جنہوں نے صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے پہلے دورِ اقتدار میں 'ابراہیمی معاہدوں' کے ذریعے اسرائیل کے ساتھ تعلقات استوار کیے۔

غزہ میں اسرائیل کی نسل کشی کے تقریباً نو ماہ بعد گفتگو کرتے ہوئے آل خلیفہ نے ان معاہدوں کو "ہمارے اہم ترین سنگ میلوں میں سے ایک" قرار دیا اور اسرائیل کے ساتھ قریبی تعلقات برقرار رکھنے کی تعریف کی۔

جو بات نمایاں ہے وہ یہ کہ بحرین نے اسی وقت ایران کے ساتھ کیسا رویہ اپنایا۔ آل خلیفہ نے اعتراف کیا کہ بحرین نے ایران کے ساتھ تعلقات منقطع کر لیے تھے اور ''صفر رابطہ'' تھا، جبکہ اس بات پر اصرار کیا کہ سفارت کاری کے لیے رابطے کے ذرائع کھلے ہونے چاہئیں۔ یہ خلیج کی زیادہ تر ریاستوں کی پالیسی کی عکاسی کرتا ہے۔ اسرائیل اور واشنگٹن کے ساتھ اتحاد کو گہرا کرنا اور ایران کے ساتھ دشمنی جو کہ ابراہیمی معاہدوں کی بنیاد ہے۔

تاہم یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ ایران نے کبھی اپنے کسی عرب پڑوسی پر حملہ نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس ہوا۔ انھی عرب حکام نے 1980ء میں ایران میں انقلاب کے بعد عراق کے امریکہ نواز حملے کی حمایت کی، جس کے نتیجے میں آٹھ سالہ تباہ کن جنگ ہوئی۔

تب سے خلیجی ریاستوں اور دیگر عرب حکام نے واشنگٹن اور اسرائیل پر اپنا جوا دوگنا کر دیا ہے۔ آل خلیفہ نے بحرین اور امریکہ کے درمیان 2023ء کے ایک معاہدے (CSIPA) کا فخر سے ذکر کیا، جس میں دفاعی تعاون، انٹیلی جنس شیئرنگ اور اقتصادی انضمام شامل ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ یہ معاہدہ بحرین کو واشنگٹن کے ساتھ 'نیٹو' طرز کا اتحاد فراہم کرتا ہے۔

نظریاتی طور پر یہ ماڈل جس کے بارے میں آل خلیفہ نے پیش گوئی کی تھی کہ اسے پورے خطے میں پھیلایا جائے گا، امریکہ اور اسرائیل کی تابعداری کے ذریعے سلامتی کا وعدہ کرتا تھا۔ عملی طور پر اس کا مطلب خلیجی فوجوں کو امریکہ کے زیر قیادت فوجی نظاموں میں ضم کرنا اور ان امریکی اڈوں کی میزبانی کرنا ہے جو اسرائیل کا دفاع کرنے اور پورے خطے کے ممالک پر امریکہ اور اسرائیل کے حملوں کو ممکن بنانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔

''آگ کا پہاڑ'' غائب ہے

لیکن ایران پر موجودہ امریکی۔اسرائیلی جارحیت اس حکمت عملی کے بنیادی تضاد کو بے نقاب کرتی ہے۔ واشنگٹن اور تل ابیب کے ساتھ اس قدر قریبی اتحاد کر کے، عرب حکام نے خود کو اس جنگ کا فریق بنا لیا ہے۔ ان کی دہائیوں کی وہ برانڈنگ، جس نے انہیں مالیات، پرتعیش جائیدادوں اور سیاحت کے مرکز کے طور پر پیش کیا تھا، اب دھوئیں میں اڑ رہی ہے۔ درحقیقت ایران کے خلاف ان کی غیر منطقی دشمنی اور امریکی اڈوں کی میزبانی ہی اب انہیں نشانہ بنا رہی ہے۔ وہ پانچواں بیڑہ جسے آل خلیفہ نے بحرین کی حفاظت کرنے والا ''آگ کا پہاڑ'' قرار دیا تھا، وہ کہیں دور ہے اور خلیج فارس میں داخل ہونے کے قابل بھی نہیں، جبکہ بحرین میں اس کا بیس ایران کے حملوں کی زد میں ہے۔

مشرق وسطیٰ کے ماہر پروفیسر جوزف مساد کے مطابق، اس اسرائیل نواز صف بندی کا مقصد عرب عوام کو یہ یقین دلانا ہے کہ ایران ان کا اصل دشمن ہے، حالانکہ اسرائیل ہمیشہ سے عرب ممالک اور ایران دونوں کے لیے خطرہ رہا ہے۔

امریکی اور اسرائیلی موجودگی میں کوئی تحفظ نہیں

ایران کا نظریہ بالکل مختلف ہے۔ پاسدارانِ انقلاب کے ترجمان ابراہیم ذوالفقاری نے خبردار کیا ہے کہ محدود جوابی کارروائیوں کا دور ختم ہو چکا ہے اور ایران اب اپنے مقاصد کے حصول تک مسلسل حملے کرے گا۔ انہوں نے امریکہ اور اسرائیل پر علاقائی ریاستوں کے پیچھے چھپنے کا الزام لگایا اور عہد کیا کہ ایران کے خلاف حملوں میں استعمال ہونے والے اڈے تباہ کر دیے جائیں گے۔

ایران کی قیادت پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات پر زور دیتی رہتی ہے۔ اپنے پہلے بیان میں سپریم لیڈر آیت اللہ مجتبیٰ خامنہ ای نے کہا کہ ایران تمام پڑوسیوں کے ساتھ ''دوستانہ اور تعمیری تعلقات'' چاہتا ہے لیکن ایران پر حملوں کے لیے استعمال ہونے والے غیر ملکی فوجی اڈے بند ہونے چاہئیں۔

عرب ریاستوں نے حساب لگایا تھا کہ امریکہ اور اسرائیل کو خطے میں مزید گہرائی تک لانے سے وہ محفوظ رہیں گے۔ ایران کے لیے، سلامتی کا مطلب اسرائیل اور امریکہ کو جتنا ممکن ہو دور دھکیلنا ہے۔ یہ متضاد نظریات اب جنگ کے ذریعے آزمائے جا رہے ہیں۔

کئی تجزیوں کے مطابق ایران غالب آ رہا ہے اور ٹرمپ اپنے ہی بنائے ہوئے ''تناؤ کے جال'' میں پھنس گئے ہیں۔ جنگ کے معاشی اثرات پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ اس تصادم کا نتیجہ یہ فیصلہ کرے گا کہ خطے کے لوگ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد رہیں گے یا مزید نسلیں امریکی اور صہیونی استعمار کے تحت گزاریں گے۔

مگر ایک حقیقت اب واضح ہے کہ عرب حکام نے یہ غلط اندازہ لگایا تھا کہ وہ تل ابیب اور واشنگٹن کے ساتھ اتحاد کر کے خوشحالی اور سکون سے رہ سکیں گے جبکہ صرف فلسطینی اور ان کا ساتھ دینے والے اپنے خون سے اس کی قیمت چکائیں گے۔

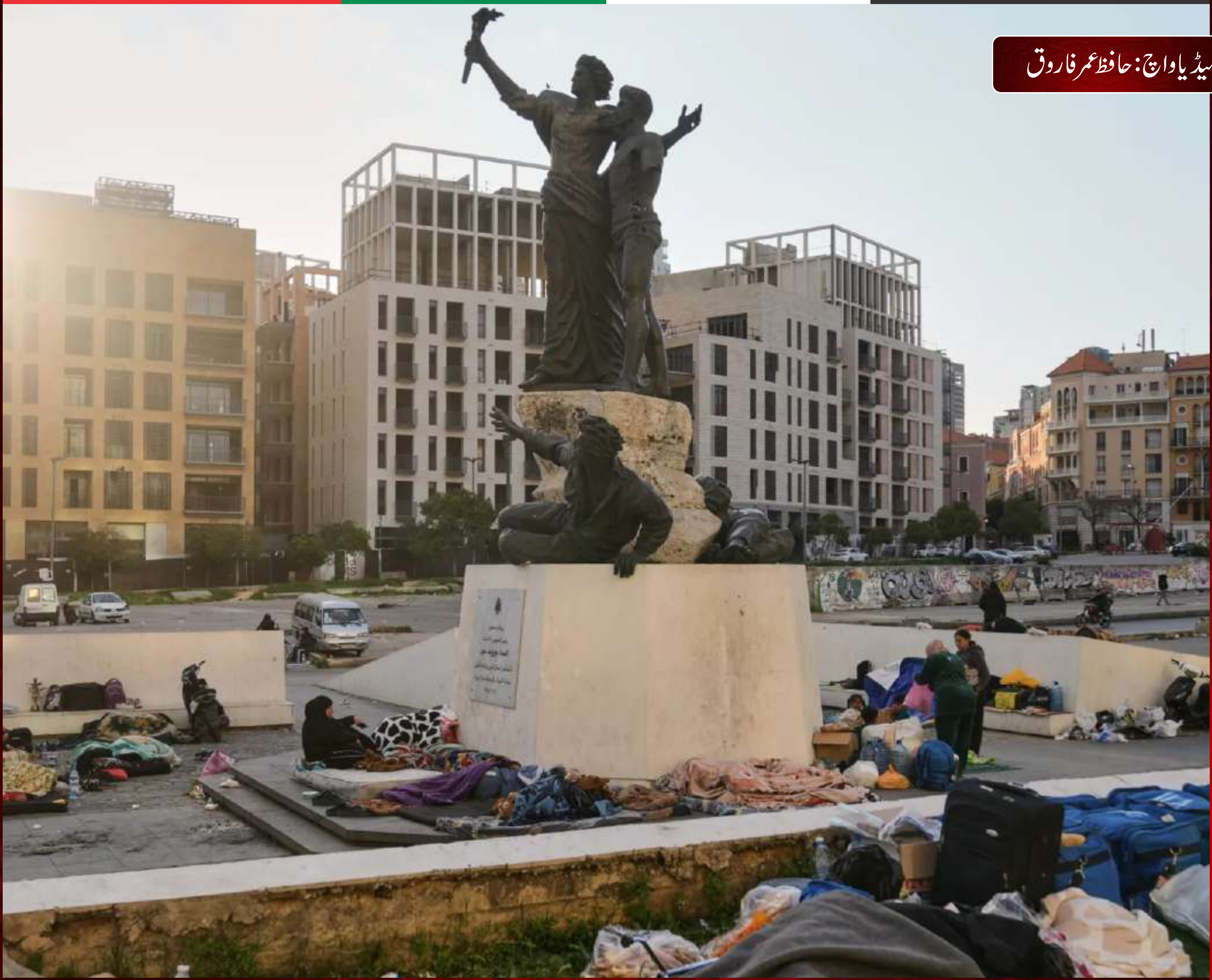

میڈیا واچ: حافظ عمر فاروق

لبنان: لاکھوں بے گھر اپنی داستان سناتے ہیں

بیروت میں اسرائیل کے فوجی حملوں نے ایک انسانی بحران کو جنم دیا ہے، جس نے ہزاروں افراد کو سڑکوں پر آنے پر مجبور کر دیا ہے۔

بیروت کے وسط میں واقع محمد الامین مسجد کے باہر صبح کا وقت ہے۔ چاند کے ایک بہت بڑے مجسمے کے نیچے، سفید حجاب اور میلے پھول دار لباس میں ملبوس ایک عورت اپنے بچوں کو پکار رہی ہے۔ وہ اپنے ایک بیٹے، محمد کا نام لے کر چلاتی ہے جب وہ بھاگتے ہوئے مصروف سڑک کی طرف جانے لگتا ہے۔

45 سالہ فاطمہ 2 مارچ کو اپنے خاندان کے ہمراہ جنوبی مضافاتی علاقے 'برج البراجنہ' سے اس وقت فرار ہوئیں جب اسرائیل نے وسیع علاقائی جنگ کے حصے کے طور پر اس علاقے پر بمباری کی۔ وہ دو چھوٹے بیٹوں اور ایک بڑی بیٹی کی ماں ہیں۔ وہ سب کارڈ بورڈ کے ڈبوں پر بیٹھے ہیں۔ ان کے پیچھے موٹے لحاف، پانی کا ایک جگ اور لبنانی روٹی کا ایک آدھا کھایا ہوا تھیلا رکھا ہے۔

یہ پہلی بار نہیں ہے کہ وہ بے گھر ہوئے ہوں۔ یہ خاندان اصل میں شام سے ہے لیکن خانہ جنگی سے بچ کر 'برج البراجنہ' کے نسبتاً امن میں پناہ لی تھی۔ فاطمہ کی 70 سالہ ماں، وردہ، اپنی وہیل چیئر پر وہیں موجود ہیں۔ انہوں نے 2024ء میں بھی اسی جگہ پناہ لی تھی جب اسرائیل نے آخری بار ان کے محلے پر حملہ کیا تھا۔

اس بار وہ اس وقت اپنا گھر چھوڑنے پر مجبور ہوئے جب دھماکوں نے ان کے بیٹوں کو رلا دیا۔ فاطمہ کہتی ہیں: ''بچے بڑوں کی طرح نہیں ہوتے، وہاں خوف اور دہشت ہوتی ہے۔ اس لیے ہم نے برج البراجنہ چھوڑ دیا۔ کل رات ہم اسی مجسمے کے پاس سوئے تھے۔'' وہ مزید بتاتی ہیں: ''ہمارے بچے کل سے بھوکے ہیں۔ نہ کھانا ہے نہ پینا اور کل رات بچے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔''

فاطمہ کے مطابق بیروت کے حکام نے ان کی کوئی مدد نہیں کی۔ وہ لبنان کی اس بڑی آبادی کا حصہ ہیں جو در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہے۔ چند مردوں نے انہیں کمبل دیے جب انہوں نے دیکھا کہ خاندان سردی میں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پاس اب جانے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں: ''اب ہم واپس جانے سے ڈرتے ہیں۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہاں بمباری ہو رہی ہے۔ ہم یہاں زمین پر بیٹھنے پر مجبور ہیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کوئی حل نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔''

اگلے دن، وہ وہاں سے جا چکے ہوتے ہیں۔

سنگین بحران

لبنان پر اسرائیل کے حالیہ حملے 1975-1990ء کی خانہ جنگی کے بعد ملک کا مہلک ترین تنازع ہیں۔ لبنانی وزارت صحت کے مطابق اسرائیلی فضائی حملوں میں 1000 سے

زائد افراد ہلاک ہو چکے ہیں، جن میں 118 بچے شامل ہیں، اور 10 لاکھ افراد بے گھر ہوئے ہیں۔ اسرائیل کا کہنا ہے کہ وہ حزب اللہ کو نشانہ بنا رہا ہے لیکن اس نے مسلسل رہائشی عمارتوں کو نشانہ بنایا ہے۔

اقوام متحدہ کے مطابق، لبنان میں اب ہر 5 میں سے 1 شخص اسرائیلی فوجی کارروائیوں کی وجہ سے بے گھر ہو چکا ہے۔

16 سالہ کریم بیروت کے جنوبی مضافات 'ضاحیہ' میں رہتا تھا۔ 28 فروری کو جب حملے شروع ہوئے تو اس کا خاندان بمشکل جان بچا کر نکلا۔ اب وہ سڑک پر سوتا ہے اور کیفے میں جا کر اپنا فون چارج کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ''میری ماں کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں، سکولوں میں بہت زیادہ رش ہے جو انہیں پریشان کرتا ہے۔ اس لیے ہم سڑک پر ہیں۔ ہمیں صبر کرنا ہوگا۔ میں بہت تھک گیا ہوں۔''

لبنان کی حکومت، اقوام متحدہ اور مقامی این جی اوز کے ساتھ مل کر عوامی سکولوں اور سٹیڈیمز کو عارضی پناہ گاہوں میں تبدیل کر رہی ہے، لیکن بے گھر افراد کی تعداد حکومتی صلاحیت سے کہیں زیادہ ہے۔ ہر اس شخص نے جس سے 'دی انٹرسیپٹ' نے بات کی، حکومتی امداد کو ناکافی قرار دیا۔

مقامی امدادی کوششیں

یارا صائغ 'ٹرتھ بی ٹولڈ' (Truth Be Told) نامی تنظیم چلاتی ہیں۔ اب وہ ایک عارضی کچن کے ذریعے روزانہ 1000 کے قریب کھانا تیار کر کے خیموں میں رہنے والے خاندانوں میں تقسیم کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں، ''میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں، وہ کافی نہیں ہے۔ بہت زیادہ خاندان بے گھر ہو چکے ہیں۔''

حال ہی میں اس نے بیروت میں مار مخائل کے قریب 'رواق کیفے' میں ایک عارضی کچن بنانے کا فیصلہ کیا۔ یارا کہتی ہیں: ''بحرانوں کے دوران میں نے جس قدر بدعنوانی دیکھی ہے، اسے مدنظر رکھتے ہوئے اور شفافیت کی ضرورت اور تفصیلات پر توجہ کی اہمیت کے پیش نظر، میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنا ذاتی کچن کھولوں گی۔''

ہر روز صبح 10 بجے کے قریب رضا کار کیفے میں جمع ہوتے ہیں تا کہ 'حرش بیروت' میں روزہ رکھنے والوں کے لیے کھانا پکانے اور پیک کرنے میں مدد کر سکیں۔ ان کے شیف عمر خالد، رضا کاروں کو پیاز کاٹنے، لیموں نچوڑنے اور مجدرہ (دال اور چاول کی ایک لبنانی ڈش) پکانے کی ہدایت دیتے ہیں۔ وہ تیار شدہ کھانوں کے ڈبوں کو بار بار گنتے ہیں اس سے پہلے کہ انہیں سڑکوں پر موجود بے گھر افراد کے لیے بھیجا جائے۔ صائغ پارک اور قریبی علاقوں میں روزانہ 1000 تک کھانے کے ڈبے تقسیم کرتی ہیں۔

صائغ کا کہنا ہے: ''ابھی میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں یا ہم میں سے بہت سے لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، وہ کافی نہیں ہے۔ بے گھر ہونے والے خاندانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔''

مارچ کے وسط کی ایک بارش والی رات، صائغ کھانا لے کر 'حرش بیروت' پہنچتی ہیں۔ پارک کے گرد و نواح میں سڑکوں پر لگے خیمے بارش سے شرابور ہیں۔ چار پانچ خیموں پر ایک ساتھ ترپالیں تنی ہوئی ہیں۔ جیسے ہی وہ اپنی گاڑی ریورس کرتی ہیں، ان لوگوں کی ایک قطار لگ جاتی ہے جنہیں ان کی مدد کی ضرورت ہے۔

ایک خاتون پکارتی ہے: ''کیا میری دوا تیار ہے؟''

صائغ اپنے لیپ ٹاپ پر ایکسل سپریڈ شیٹ میں ایک اور نوجوان خاتون کی معلومات درج کرتے ہوئے جواب دیتی ہیں: ''نہیں میڈم، ابھی نہیں، لیکن انشاء اللہ میں کل آپ کے لیے لانے کی کوشش کروں گی۔''

صائغ کہتی ہیں: ''میں ان کے لیے پرعزم ہوں، مدد کرنے والے لوگ کافی نہیں ہیں اور ان کے پاس جانے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔''

لبنان پر اسرائیل کے حملے بیروت اور اس کے مضافات سے کہیں آگے تک پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے تباہ کن حملے ملک کے جنوب میں ہوئے ہیں۔

گزشتہ ہفتے دریائے لیطانی کے شمال اور جنوب دونوں طرف انخلاء کے احکامات نافذ ہوئے جو کہ دریا کی وجہ سے ایک اہم اور زرعی طور پر مالا مال علاقہ ہے۔ لیکن جنوبی لبنان کے باشندوں کے لیے مسائل اس سے بہت پہلے شروع ہو چکے تھے۔

2024ء میں غزہ پر اپنی جنگ کے عروج پر اسرائیل نے جنوبی لبنان میں حملوں کا ایک سلسلہ شروع کیا، جن کا مقصد ان کے بقول ان عسکری گروہوں بشمول حزب اللہ کو نشانہ بنانا تھا جو سرحد پار سے جوابی حملے کر رہے تھے۔ اس میں سرحدی علاقے میں مہلک اسرائیلی زمینی چھاپے اور اس علاقے کی توسیع شامل تھی جسے وہ 'بفر زون' کہتا ہے۔

لبنان میں اقوام متحدہ کی عبوری فورس (UNIFIL) کے مطابق نومبر 2024ء سے 2025ء کے اختتام کے درمیان، اسرائیلی افواج نے نومبر 2024ء کے جنگ بندی

معاہدے کی 10,000 سے زائد فضائی اور زمینی خلاف ورزیاں کی ہیں۔

اس میں روزانہ کی بنیاد پر فضائی حملے اور زمینی دراندازی شامل تھی جس میں عام شہریوں سمیت سینکڑوں لبنانی ہلاک ہوئے۔ اسرائیل نے جنوبی لبنان سے کبھی اپنی فوجیں واپس نہیں نکالیں اور وہ ملک کے مزید اندر تک داخل ہو گیا ہے، جبکہ اسرائیل کی دائیں بازو کی جماعتیں لبنان میں آبادکاری کرنے اور دریائے لیطانی کو اسرائیل کی شمالی سرحد بنانے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

اس علاقے میں عمارتوں کو زمین بوس کر دیا گیا ہے اور اسرائیلی فوج نے لبنانی گھروں کے ملبے پر سڑکیں بنا دی ہیں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ بے گھر ہونے والے لوگ کبھی واپس نہ آسکیں۔ 'حنان' جو کہ امریکن یونیورسٹی آف بیروت میں آرٹ ہسٹری کی ایک طالبہ ہیں، کہتی ہیں کہ زمین پر موجود حقیقت ''ناقابلِ تردید مٹاؤ'' (Erasure) ہے۔ وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو جنوبی لبنان میں اسرائیل کی جارحیت کا براہِ راست سامنا کر رہے ہیں۔

حنان کی پرورش ایریزونا (امریکہ) میں میکسیکو کی سرحد سے تقریباً 30 منٹ کی مسافت پر ہوئی۔ وہ اگست میں آرٹ ہسٹری اور کیوریشن میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے لبنان آئیں۔ حماس کے ساتھ اسرائیل کی نام نہاد جنگ بندی کے بعد سے، انہوں نے لبنان اور وہاں موجود اپنے خاندان کی طرف ایک کشش محسوس کی۔ وہ ماضی کے دوروں کی پرسکون اور خوبصورت یادوں کی وجہ سے یہاں کھچی چلی آئی تھیں۔

حنان کہتی ہیں: ''اب میں اس وقت کی یادوں کو بہت شدت سے یاد کرتی ہوں۔ ہم مسجد کے صحن میں لگے درختوں سے شہتوت توڑ کر کھاتے تھے اور عربی موسیقی سنتے ہوئے پوری صبح سبزیاں کاٹتے تھے۔''

پچھلے ہفتے جنوبی سرحد کے قریب واقع ان کے آبائی گاؤں 'شہابیہ' میں ان کے خاندان کا گھر تباہ ہو گیا۔ اب حنان بیروت کے 'اشرفیہ' محلے میں جو کہ ایک اعلیٰ طبقے کا فرانسیسی طرزِ زندگی رکھنے والا اور بنیادی طور پر مسیحی علاقہ ہے اپنے دو کمروں کے اپارٹمنٹ میں 12 رشتہ داروں کو پناہ دیے ہوئے ہیں۔

وہ بتاتی ہیں: ''کچھ لوگ جب آئے تو وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تیار تھے، لیکن زیادہ تر لوگ بہت عجلت میں نکلے۔'' افراتفری اور ٹریفک کی وجہ سے ان کے خاندان کو بیروت میں حنان کے اپارٹمنٹ تک پہنچنے میں دو دن لگے اور اس دوران انہوں نے اپنی گاڑیوں میں راتیں بسر کیں۔

حنان کے مطابق ان کے رشتہ دار جوتوں اور گروسری کی دکانوں پر کام کرتے تھے۔ بچے ابھی ابھی سکول جانا شروع ہوئے تھے۔ ایک رشتہ دار نے بڑی مشکل سے پیسے جمع کر کے ایک موٹر سائیکل خریدی تھی جو حملوں میں تباہ ہو گئی۔ حنان کہتی ہیں: ''ان کی پوری زندگیاں درہم برہم ہو گئی ہیں۔''

ان کا خیال ہے کہ ان کے رشتہ داروں کی عمارت کو اس لیے نشانہ بنایا گیا کیونکہ اس کی پہلی منزل پر حزب اللہ سے وابستہ 'القرض الحسن' بینک کی ایک برانچ تھی۔ 1982ء میں قائم ہونے والا یہ ادارہ لبنان بھر میں 30 سے زائد شاخیں چلاتا ہے اور وزارتِ داخلہ میں ایک این جی او کے طور پر رجسٹرڈ ہے، لیکن یہ لبنان کے مرکزی بینک (Banque du Liban) سے لائسنس یافتہ نہیں ہے۔ امریکی محکمہ خزانہ نے 2007ء میں اس پر پابندیاں عائد کی تھیں۔ اس ماہ اسرائیلی فوج نے لبنان بھر میں اس کی شاخوں پر منظم فضائی حملے کیے اور انہیں ''جائز فوجی اہداف'' قرار دیا کیونکہ ان کے بقول یہ حزب اللہ کی فوجی سرگرمیوں کے لیے سرمایہ فراہم کرتے ہیں۔

حنان کا خاندان بیروت میں بھی شک کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے۔ ان کی آمد کے فوراً بعد ایک پڑوسی نے دھمکی دی کہ وہ حکام کو مطلع کر دے گا کہ حنان کے دو کمروں کے گھر میں 12 رشتہ دار ٹھہرے ہوئے ہیں۔

حنان کہتی ہیں: ''یہ صرف اس لیے ہے کہ ان کا تعلق جنوب سے ہے اور وہ حزب اللہ کے حامی ہو سکتے ہیں، اس لیے میرے پڑوسی ڈرتے ہیں کہ ہم اسرائیل کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھ پا رہے کہ جنوب کے لوگ ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں، چاہے دوسرے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔''

13 مارچ کو کشیدگی اس وقت مزید بڑھ گئی جب اسرائیلی طیاروں نے بیروت کے مختلف محلوں میں ہزاروں پمفلٹ گرائے۔ ان میں لبنانی شہریوں سے کہا گیا کہ وہ ''حزب اللہ کو غیر مسلح کریں'' اور لکھا تھا کہ ''لبنان کا فیصلہ آپ کا ہونا چاہیے، کسی اور کا نہیں۔'' ایک اور اشتہار جسے اخبار کی شکل دی گئی تھی، اس میں انتباہ دیا گیا کہ لبنان کی موجودہ صورتحال غزہ جیسی ہو جائے گی۔ ان پمفلٹس میں لبنانیوں سے کیو آر (QR) کوڈ کے ذریعے اسرائیل کو حزب اللہ کے ٹھکانوں کی اطلاع دینے کا بھی کہا گیا۔

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا مقصد ملک کو غیر مستحکم کرنے کے لیے فرقہ وارانہ دراڑیں پیدا کرنا ہے۔ مثال کے طور پر یارا صائغ کہتی ہیں کہ ان کے اپنے خاندان اور دوست ان کے انسانی ہمدردی کے کام کی حمایت نہیں کرتے۔ وہ ایک مسیحی پس منظر سے تعلق رکھتی ہیں اور انہیں حزب اللہ کے حامیوں کی مدد کرنے پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

صائغ کہتی ہیں: ''ہم ایک قوم ہیں اور یہی آگے بڑھنے کا واحد راستہ ہے، میں سب کے لیے ایک لبنان پر یقین رکھتی ہوں۔''

لبنان میں بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ملک کا متنوع مذہبی ڈھانچہ اسے بیرونی طاقتوں کے لیے ایک آسان ہدف بناتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسا سکیں۔ لیکن حالیہ اسرائیلی میزائل حملوں کے خوف اور افراتفری میں وہ لوگ جو ایک سال پہلے غزہ کی حمایت میں حزب اللہ کی جوابی کارروائی کے حامی تھے، اب اپنی رائے بدل رہے ہیں۔

ایک نوجوان خاتون جن کا تعلق جنوب سے ہے، سوال کرتی ہیں: ''جب اسرائیل پچھلے ایک سال میں ہزاروں بار جنگ بندی توڑ رہا تھا تب وہ (حزب اللہ) کہاں تھے؟ ایسا لگتا ہے کہ وہ صرف خامنہ ای کی موت پر جاگے ہیں اور مجھے اب یقین نہیں رہا کہ ان کے رہنما یہ سب لبنان کے لیے کر رہے ہیں۔''

حنان جانتی ہیں کہ طویل عرصے تک اس طرح رہنا ممکن نہیں۔ وہ کہتی ہیں: ''ان کا منصوبہ تو واپس جنوب جانے کا ہے، لیکن میں حقیقت میں ایسا جلد ہوتا ہوا نہیں دیکھ رہی۔''

وہ اور ان کے والد اب کسی ایسے علاقے میں اپارٹمنٹ کرائے پر لینے کی کوشش کر رہے ہیں جہاں ان کے خاندان کے پس منظر کو قبول کیا جا سکے، لیکن 10 لاکھ بے گھر افراد کی موجودگی میں رہائش تلاش کرنا آسان نہیں۔

ان کے ایک چچا ایک مسجد سے منسلک لنگر خانے (Soup Kitchen) میں کام کرتے ہیں جہاں کچھ دفتر کی جگہ خالی ہے۔ حنان کہتی ہیں: ''وہاں دو کمرے ہیں جو بطور دفتر استعمال ہوتے ہیں۔ وہ سوچ رہے ہیں کہ جنوب واپسی سے پہلے انہیں عارضی طور پر رہائشی کمروں میں بدل دیں، جو کہ ایک دیوانگی ہے کیونکہ بالکل ساتھ والی عمارت پچھلے دن بمباری کا نشانہ بنی ہے۔''

خصوصی رپورٹ: عبدالقیوم فہمید

وہ راز جو متحدہ عرب امارات کے بارے میں کوئی نہیں جانتا

کوئی نہیں جانتا کہ متحدہ عرب امارات جیسا ملک، رقبے میں چھوٹا (75,000 کلومیٹر سے کم) اور مقامی آبادی کے ساتھ جو ابھی تک 800,000 (ایک ملین سے کم) سے زیادہ نہیں ہے، اتنی تیز رفتار ترقی کیسے دیکھ سکتا ہے!

متحدہ عرب امارات کی کوئی سیاسی تاریخ نہیں، آزادی کی کوئی تحریک نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ثقافتی یا فکری ادارہ ہے۔

کیا شیخ زاید نے صرف اس میں زندگی کا سانس لیا، اسے راتوں رات ایک ترقی پذیر تعمیر و ترقی کے مرکز میں تبدیل کر دیا، جو مغربی ایشیا کی سب سے تیزی سے ترقی کرتی ہوئی معیشتوں میں سے ایک ہے؟!

حقیقت یہ ہے کہ: ''یو اے ای پروجیکٹ'' کی تخلیق کے پیچھے یہودیوں کا ہاتھ ہے۔ مغرب کے دولت مند یہودیوں نے سیاسی اور دیگر وجوہات کی بناء پر ''مادر ملک'' سے نمٹنے کی ضرورت کے بغیر مالی مفادات اور تجارت کے انتظام کے لیے مشرق وسطیٰ میں یہودی آبادکاری کے قیام کا تصور پیش کیا۔ 1971ء کے بعد سے، اس کے قیام کے سال، مغرب نے امارات کو چھ، پھر سات، امارات، ہر ایک کے اپنے امیر، فوج، پولیس، سیکورٹی فورسز وغیرہ میں تقسیم کرنے کو یقینی بنایا۔

دریں اثنا، ابوظہبی کی امارت کل رقبے کے تین چوتھائی سے زیادہ پر قابض ہے، جس کی وجہ سے ان کے لیے متحدہ ریاست کی تشکیل کو روکنا آسان ہو گیا ہے۔

اگر ہم سرکاری اعداد و شمار کے مطابق یہ مان بھی لیں کہ امارات کی آبادی 750,000 ہے، تو یہ امارات میں مقیم غیر ملکیوں کی تعداد کے مقابلے میں کیا برابر ہے، جو کہ 200 قومیتوں اور 150 نسلی گروہوں کے 9 ملین افراد پر مشتمل ہے؟!

اگر پوری آبادی انٹیلی جنس، سیکورٹی اور ملٹری فورس بن جائے تب بھی وہ اپنے ملک کی حفاظت نہیں کر پائیں گے!

یو اے ای کے بارے میں حیران کن بات یہ ہے کہ داخل ہونے پر آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ کسی یورپی ملک یا ترقی یافتہ ایشیائی ممالک میں داخل ہو گئے ہیں، اس کے پیچیدہ نظام، پیشہ ورانہ طرز عمل، اعلیٰ درجے کے نظم و ضبط اور خوبصورت، صاف ستھری سڑکوں کے ساتھ۔

لیکن ''آبائی'' شہری تلاش کرنا مشکل ہے۔ ہوائی اڈے سے لے کر رہائش تک تمام لین دین ''غیر ملکیوں'' کے ہاتھ میں ہے۔ مختلف ممالک سے عرب ہیں اور اس کے ہوائی اڈوں کے ذریعے پروازوں کی بڑی تعداد جو کہ صلاحیت اور خدمات میں دنیا کے سب سے بڑے حریف ہیں اور اس کی بندرگاہوں میں بحری جہازوں اور جہازوں کی تعداد حیران کن ہے!

کیا یہ بات قابل فہم ہے کہ یہ ’’اماراتی‘‘ اپنی سادہ سوچ اور محدود خواہشات کے ساتھ اس پیچیدہ مشین یا نظام کو سنبھال سکے گا؟!

عام طور پر متحدہ عرب امارات اور خاص طور پر ابوظہبی، دنیا میں سب سے زیادہ دولت مند افراد پر فخر کرتا ہے، جس کا تخمینہ 75,000 کروڑ پتی ہے، جس میں امیر یہودیوں کا سب سے بڑا تناسب ہے۔

اس کا ترجمہ اس وسیع مالیاتی ذخائر کے لیے ایک محفوظ ماحول فراہم کرنا ہے۔

اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ جس نے محمد بن زاید کی ’’اسرائیل‘‘ کی طرف رہنمائی کی وہ یہودی کروڑ پتی ہیم سبان تھا۔ متحدہ عرب امارات محض فلک بوس عمارتیں، خوبصورت سڑکیں، ہلچل سے بھرپور تجارت اور اب فیکٹریاں اور ورکشاپس نہیں ہیں۔

’’یہ قوم کے خلاف سازش کرنے کا تصفیہ ہے‘‘ اہم سوال:

متحدہ عرب امارات کو ہتھیاروں پر خرچ کرنے والا پانچواں بڑا ملک بننے کی ضرورت کیوں ہے؟

اس کی فوج کہاں ہے؟

اور کن سرحدوں کا دفاع کرتا ہے؟

جواب:

یہ تمام ہتھیار خواہ وہ سودے سرکاری ہوں یا نجی، خطے کے ممالک کے خلاف سازش کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ خطے میں ایک بھی عرب یا اسلامی ملک ایسا نہیں ہے جسے متحدہ عرب امارات کے اقتصادی، سیاسی یا سیکیورٹی منصوبوں کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو، جس سے اس کے اندر افراتفری پیدا ہو۔ سوڈان میں اب جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کی تازہ مثال ہے اور 2016ء میں ترکی میں جو کچھ ہوا وہ اس بات کو ثابت کرتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ:

کیا الزاید خاندان ان تمام پیچیدہ مسائل کو سنبھالنے کی عقل رکھتا ہے؟

کیا متحدہ عرب امارات کے شیخوں کے مفاد میں ہے کہ وہ ہزاروں کلومیٹر دور ممالک کے معاملات میں اس طرح کی مداخلت کرتے رہیں؟

سوال یہ ہے کہ:

سرمائے کے مالکان ان بدو شخصیات اور ان کے پراکسیوں کے بجائے براہ راست متحدہ عرب امارات پر حکومت کیوں نہیں کرتے؟ اس سوال کا جواب 1921ء میں فورڈ موٹر کمپنی کے بانی ہنری فورڈ کی کتاب ’’دی انٹرنیشنل جیو‘‘ میں دیا گیا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں:

’’یہودی پیچھے سے دنیا کی قیادت کرنا پسند کرتے ہیں۔‘‘

ایک اور سوال: انہوں نے دارالحکومت کو متحرک کرنے کے لیے "UAE" کے بجائے ’’اسرائیل‘‘ کا انتخاب کیوں نہیں کیا، خاص طور پر چونکہ فلسطین زمین سے مالا مال ہے، اپنے قدرتی مناظر میں خوبصورت ہے اور اس کا جغرافیائی محل وقوع اور سمندر تک رسائی ہے؟

جواب: ’’اسرائیل‘‘ سرمایہ کاری کے لیے نامناسب ہے کیونکہ یہ ایک ’’فوجی بفر‘‘ ہے، جسے مسلسل دھمکیاں دی جاتی ہیں اور اس کے ساتھ تجارتی لین دین خطے میں ناپسندیدہ ہے۔

دوسرے لفظوں میں، یہ ’’غیر مستحکم‘‘ ہے اور وہاں کاروبار کا محاذ یہودی ہے!

آخر میں: "UAE" بنیادی طور پر 1971ء سے ایک اسرائیلی بستی ہے... آخر میں: دنیا کا سب سے بڑا میسونک لاج متحدہ عرب امارات میں واقع ہے۔ یہ بین الاقوامی نظام کا عملی مرکز ہے... اس رپورٹ کے بعد کیا اب آپ سمجھ گئے ہیں کہ متحدہ عرب امارات کون ہے؟

مڈل ایسٹ آئی: لبنیٰ مصاروہ

زن، زندگی اور آزادی کا نیا نعرہ

خاتون لڑاکا پائلٹوں کو اب ایران کی تباہی میں ان کے کردار پر سراہا جا رہا ہے، جبکہ غزہ میں خواتین زندہ رہنے کی جدوجہد کر رہی ہیں۔

ایک تصویر میں چار اسرائیلی پائلٹ، اپنے ہیلمٹ کے شیشے گرائے اور سینے پر ہاتھ باندھے، ایک جنگی طیارے کے سامنے کھڑی ہیں۔ یہ ''ٹاپ گن'' اسٹائل کی فوجی مہارت کا ایک کلاسک پوز ہے، لیکن یہ ایک نئے موڑ کے ساتھ ہے۔ یہ چاروں پائلٹ خواتین ہیں جن کے لمبے بال ہیلمٹ کے نیچے سے کندھوں پر گر رہے ہیں۔ یہ تصویر برسوں سے گردش کر رہی ہے اور اب ایران پر امریکی-اسرائیلی حملے کے ابتدائی دنوں میں دوبارہ منظرِ عام پر آئی ہے۔

جاری آپریشن میں خاتون پائلٹوں کی شمولیت اسرائیل کی فوج کے لیے خودستائی کا باعث اور بہت سے اسرائیلیوں کے لیے فخر وحقانیت کا نقطہ بن گئی ہے۔ گزشتہ روز اسرائیلی فوج نے سوشل میڈیا پر پوسٹ کیا: ''تقریباً 30 خواتین فضائی عملہ بشمول پائلٹ اور نیویگیٹرز، آپریشن، رورنگ لائن'' (Roaring Lion) کے تحت ایران کی فضائی حدود میں حملوں میں حصہ لے رہی ہیں۔''

اس پیغام کو بائیں بازو کی ڈیموکریٹس پارٹی کے رہنما یائر گولن نے بھی اپنایا جنہوں نے ان خاتون پائلٹوں کی تصویر شیئر کرتے ہوئے لکھا: ''ایران پر پیچیدہ حملوں میں درجنوں خواتین کی شرکت اس بات کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے کہ دلیری، پیشہ ورانہ مہارت اور حب الوطنی کی کوئی جنس نہیں ہوتی۔''

بہت سے اسرائیلیوں کے لیے، جو ایک بار پھر خود کو جنگ میں پاتے ہیں، اس طرح کے جذبات ان اقدار، لبرل اور نسائیت کا اظہار ہیں جن کی وہ نمائندگی کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ان اقدار کے خلاف ہیں جن سے وہ لڑنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اسرائیل ڈیموکریسی انسٹی ٹیوٹ کے ایک حالیہ سروے کے مطابق، 90 فیصد سے زیادہ یہودی اسرائیلی (خواہ وہ بائیں بازو کے ہوں، لبرل ہوں یا دائیں بازو کے) ایران پر فوجی حملے کی حمایت کرتے ہیں۔ سڑکوں پر انٹرویوز، سوشل میڈیا پوسٹس اور ٹی وی مباحثوں میں اسرائیلی خواتین ایک ہی بات دہراتی ہیں: وہ بمباری کے سائے میں رہنے کو تیار ہیں اگر اس کا مطلب ایرانیوں اور خاص طور پر ایرانی خواتین کو آزادی دلانا ہو۔ 'خواتین کے عالمی دن' نے اسرائیلی فوجی اور سیاسی رہنماؤں کو یہ پیغام مزید گہرا کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اسرائیلی فوج کے فیس بک پیج پر ایک ویڈیو شیئر کی گئی جس میں ان خاتون پائلٹوں کو سراہا گیا جو ''درستگی اور توجہ کے ساتھ ایران کے آسمانوں میں مشن انجام دے رہی ہیں۔''

اسرائیلی اپوزیشن لیڈر بینی گینٹز نے ایک تصویر شیئر کی جس میں ایک خاتون پائلٹ کو آگ کے شعلوں میں گھرے شہر کے اوپر اڑتے دکھایا گیا، جب کہ نیچے خواتین احتجاج کر رہی ہیں، جن میں سے ایک نے اپنا اسکارف اتار کر ہوا میں لہرایا ہوا ہے اور دوسری نے ''زن، زندگی، آزادی'' (Freedom, Life,Woman) کا پوسٹر اٹھایا ہوا ہے۔

اسرائیلی رہنما اکثر تہران کے ساتھ اپنے تنازع کو ایرانی عوام کے بجائے وہاں کی حکومت کے خلاف جدوجہد کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور اسے ایرانی خواتین کو ظلم سے نجات دلانے کے بیانیے سے جوڑتے ہیں۔ نیتن یاہو نے بھی مہسا امینی کی موت کے بعد شروع ہونے والی تحریک کا نعرہ ''زن، زندگی، آزادی'' استعمال کرتے ہوئے ایرانیوں کو اپنی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔

ایک طرف تو اسرائیلی فوج اپنی خواتین فوجیوں کی سہولت کے لیے مخصوص وردیوں اور حفاظتی سامان کی فراہمی پر زور دیتی ہے، تو دوسری طرف غزہ اور خطے کی دیگر خواتین پر ڈھائے جانے والے مظالم اس نام نہاد نسائیت کا پول کھول دیتے ہیں۔

جولائی 2025ء تک کی رپورٹس کے مطابق غزہ میں 33,000 خواتین اور لڑکیاں ہلاک اور 75,000 سے زائد زخمی ہو چکی ہیں۔ اقوام متحدہ کی خصوصی مبصر ریم السالم نے اسرائیل پر فلسطینیوں کے خلاف ''فیمی-جینوسائڈ'' (خواتین کی نسل کشی) کا الزام لگایا ہے۔ انہوں نے کہا: ''فلسطینی خواتین کے ساتھ جو ہو رہا ہے وہ جنگ کا ضمنی نقصان نہیں بل کہ ان کی زندگیوں اور جسموں کی دانستہ تباہی ہے۔''

اسرائیلی جیلوں میں قید فلسطینی خواتین نے جنسی تشدد اور تذلیل کی داستانیں سنائی ہیں۔ غزہ میں اسرائیلی فوجیوں کی جانب سے فلسطینی گھروں میں گھس کر خواتین کے زیرِ جامہ لباس کی عوامی نمائش اور ان کی ویڈیوز بنانا تذلیل کا ایک منظم طریقہ رہا ہے۔

ایران میں جہاں اسرائیل کی خاتون پائلٹ فخر سے ایکشن میں ہیں، مرنے والوں کی تعداد 1,000 سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس میں جنوبی شہر میناب کے ایک سکول پر بمباری میں ماری جانے والی 165 بچیاں بھی شامل ہیں جن کی عمریں 7 سے 12 سال کے درمیان تھیں۔ اسرائیلی نسائیت اب فلسطینیوں کے خلاف نسل کشی کی جنگ اور لبنان و ایران کی تباہی کو معمول پر لانے کا ایک ذریعہ بن چکا ہے۔ جب اسرائیلی خواتین جنگی کرداروں میں اپنی شمولیت کا جشن مناتی ہیں تو برابری کی یہ بحث وہیں رک جاتی ہے۔ اس برابری کے سیاسی نتائج یعنی وہ اہداف، وہ تباہی اور بموں تلے دبے عام شہری منظر نامے سے غائب کر دیے جاتے ہیں۔

اگر ایران کا حال بھی غزہ جیسا ہوتا ہے تو ایرانی خواتین کا مستقبل وہی ہوگا جو غزہ کی خواتین آج بھگت رہی ہیں، جیسا کہ ایک فلسطینی خاتون نے کہا: ''انہوں نے ہمیں 100 سال پیچھے دھکیل دیا ہے۔''

[بشکریہ: مڈل ایسٹ آئی]

آئینہ ایام: ربی میسون

کیا اسرائیلی فوج ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے؟

اسرائیلی میڈیا کے مطابق فوج کے چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل ایال زمیر نے چینل 13 کی نیوز رپورٹ کے مطابق وزرا کو بتایا: 'میں آپ کے سامنے 10 خطرے کی گھنٹیاں بجا رہا ہوں۔'

اسرائیلی حکام نے خبردار کیا ہے کہ ان کی فوج ٹوٹ پھوٹ کا جلد شکار ہو جائے گی کیونکہ اسے افرادی قوت کی شدید کمی کا سامنا ہے۔

اسرائیلی میڈیا کے مطابق فوج کے چیف آف سٹاف لیفٹیننٹ جنرل آئل زمیر نے مبینہ طور پر اس ہفتے سکیورٹی کابینہ کے اجلاس کے دوران خبردار کیا کہ 'آئی ڈی ایف خود ہی اندر ہی اندر گر جائے گی' کیونکہ فوج بڑھتی ہوئی آپریشنل ضروریات اور بڑھتی ہوئی افرادی قوت کی کمی سے نمٹ رہی ہے۔'

جنرل آئل زمیر نے چینل 13 کی نیوز رپورٹ کے مطابق وزرا کو بتایا: 'میں آپ کے سامنے 10 خطرے کی گھنٹیاں بجا رہا ہوں۔'

ان کا کہنا تھا کہ 'اس وقت، آئی ڈی ایف کو لازمی بھرتی کا قانون، ریزروڈیوٹی قانون، اور لازمی خدمت کو بڑھانے کے لیے قانون کی ضرورت ہے۔ جلد ہی، آئی ڈی ایف اپنے معمول کے مشنوں کے لیے تیار نہیں ہوگی اور ریزرو نظام قائم نہیں رہے گا۔'

خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق اسرائیل کے لبان اور ایران پر حالیہ حملوں کے جواب میں ہونے والی کارروائیوں میں اب تک چار اسرائیلی فوجی مارے جا چکے ہیں جبکہ غزہ پر دو سالہ جارحیت کے دوران مارے جانے والے اسرائیلی فوجیوں کی تعداد 900 سے زائد ہے۔

فوجی ترجمان بریگیڈیئر جنرل ایفی ڈیفرن نے جمعرات کو کہا کہ فوج کو اپنے جاری مشنز کے لیے مکمل آپریشنل صلاحیت تک پہنچنے کے لیے تقریباً 15,000 اضافی فوجیوں کی ضرورت ہے، جن میں سے تقریباً نصف کامبیٹ فوجی ہیں۔

اسرائیلی فوج کا بھی کہنا ہے کہ اسے لبنانی محاذ پر مزید فوجی تعینات کرنے کی ضرورت ہے۔

فوجی ترجمان بریگیڈیئر جنرل ایفی ڈیفرین نے ٹیلی ویژن بریفنگ میں کہا: 'لبنانی محاذ پر، جو فارورڈ دفاعی زون ہم بنا رہے ہیں اسے مزید آئی ڈی ایف فورسز کی ضرورت ہے۔'

اس بیان پر اپوزیشن کے رہنماؤں کی جانب سے تنقید ہو رہی ہے جنہوں نے کہا کہ حکومت ملکی سلامتی کا خیال نہیں رکھ رہی۔

اسرائیلی اپوزیشن رہنما یائر لاپید نے حکومت پر الزام لگایا کہ وہ 'بغیر حکمت عملی' اور 'بہت کم فوجیوں کے ساتھ' کثیر محاذی جنگ لڑ رہی ہے۔

وزیر اعظم کے دفتر کے ایک بیان میں اس کے برعکس، قانون سازی میں رکاوٹوں کو الزام دیا گیا۔

اسرائیل فوج میں سپاہیوں کی کمی کی بڑی وجہ اس کی لبنان اور مقبوضہ مغربی کنارے پر جاری کارروائیاں اور نئی آبادیوں کا قیام بتایا جاتا ہے۔ اس ہفتے، اسرائیلی افواج نے ایک انفنٹری بٹالین کو، جسے لبنان میں تعینات کیا جانا تھا، مغربی کنارے کی طرف موڑ دیا، جبکہ آبادکاروں نے فلسطینیوں پر حملوں کی لہر جاری رکھی۔

فوج کہتی ہے کہ حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مزید فوجیوں کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

سابق وزیر اعظم نفتالی بینیٹ نے، جنہیں اس سال کے انتخابات میں نیتن یاہو کے اہم حریفوں میں شمار کیا جاتا ہے، بھی چینل 12 پر ایک انٹرویو میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ الٹرا آرتھوڈوکس یہودیوں کو بھرتی کرے۔ ان کا کہنا ہے کہ فوج کو 20 ہزار فوجیوں کی کمی کا سامنا ہے۔

اس سال جنوری میں، ضمیر نے نیتن یاہو اور دیگر سینیئر حکام کو ایک خط بھیجا، جس میں خبردار کیا کہ فوجیوں کی کمی بہت جلد فوجی کارروائیوں کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔

انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مردوں کے لیے لازمی فوجی خدمت کو جسے اگست 2024 میں 30 ماہ سے بڑھا کر 36 کر دیا گیا تھا مزید بڑھایا جائے۔

ایک بیان میں، نیتن یاہو کے دفتر نے دعویٰ کیا کہ اپوزیشن سیاست دانوں نے ضمیر کے بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ وزیر اعظم کے دفتر نے کہا کہ ضمیر نے لازمی فوجی سروس کو منظم کرنے والے قوانین کی منظوری کا مطالبہ کیا تھا۔ نیتن یاہو کے دفتر نے دعویٰ کیا کہ قانونی مشیروں کی وجہ سے رکاوٹ کا سامنا ہے۔

اسرائیل آپریشنل وجوہات کی بنا پر جنگی محاذ پر فوجیوں کی تعداد یا نقصانات کی تفصیلات عوامی طور پر جاری نہیں کرتا۔ غزہ کی جارحیت میں اسے لبنان اور مغربی کنارے سے کافی زیادہ جانی نقصان اٹھانا پڑا۔

خصوصی رپورٹ: لمیس تغرید

ایران جنگ کے دوران حملوں میں تیزی

اسرائیلی آبادکاروں کے ہاتھوں تین فلسطینی شہید

فلسطینی انسانی حقوق کی تنظیم کا کہنا ہے کہ جنگ کے آغاز سے اسرائیل کے فلسطینیوں پر حملوں میں 25 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ ایران کے خلاف جنگ کے آغاز کے بعد سے مقبوضہ مغربی کنارے میں حملوں کی لہر کے دوران، گزشتہ ہفتے کے آخر میں اسرائیلی آباد کاروں نے فائرنگ کرکے تین فلسطینیوں کو شہید کردیا۔ ایک چوتھا فلسطینی آبادکاروں کے حملے کے دوران اسرائیلی فورسز کی جانب سے داغے گئے آنسو گیس کے گولوں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گیا۔

واقعات کی تفصیلات

پہلا واقعہ الخلیل (Hebron) کے جنوب میں مسافر یطا کے علاقے وادی الرخیم میں پیش آیا، جہاں آبادکاروں نے دو بھائیوں پر قریب سے فائرنگ کی۔ فلسطینی میڈیا کے مطابق اس حملے میں امیر محمد شناران شہید ہو گئے جب کہ ان کا بھائی شدید زخمی ہوا۔ رپورٹ کے مطابق دونوں کو ان کے گھر کے قریب ''سوسیا'' نامی بستی کے آبادکاروں نے گولی ماری جو فلسطینی زمین پر تعمیر کی گئی ہے۔

دوسرے واقعے میں آبادکاروں نے رام اللہ کے شمال مشرق میں واقع قصبے ''ابوفلاح'' پر حملہ کیا، رہائشیوں پر تشدد کیا اور فائرنگ کی۔ فلسطینی وزارت صحت نے جاں بحق ہونے والوں کی شناخت 24 سالہ تہائر فاروق حماہیل اور 57 سالہ فارع جودت حماہیل کے نام سے کی ہے۔

آنسو گیس کا استعمال

اسی حملے کے دوران قصبے کے ایک اور رہائشی محمد حسن مرہ اسرائیلی فورسز کی آنسو گیس کے باعث دم توڑ گئے۔ طبی ذرائع کا کہنا ہے کہ جب انہیں رام اللہ کے ہسپتال لایا گیا تو انہیں دل کا دورہ پڑ چکا تھا۔ ان حملوں میں کم از کم سات دیگر افراد زخمی ہوئے، جن میں سے تین کے سر میں گولیاں لگیں، ایک کے کولہے اور ایک کے کندھے میں گولی لگی۔

سیاسی ردعمل

فلسطینی نائب صدر حسین الشیخ نے ان حملوں کی مذمت کرتے ہوئے انہیں ''آبادکاروں کی دہشت گردی میں شدید اضافہ'' قرار دیا۔ انہوں نے سوشل میڈیا پلیٹ فارم 'X' پر لکھا: ''ہم عالمی برادری سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ معصوم فلسطینیوں کے تحفظ کے لیے فوری مداخلت کرے اور سخت تادیبی اقدامات کرے۔''

حماس نے بھی شہدا کی تعزیت کرتے ہوئے کہا کہ وہ ''آبادکاروں کے وحشیانہ حملے کا مقابلہ کرتے ہوئے'' جان کی بازی ہار گئے۔

حماس نے فلسطینیوں سے اپیل کی کہ وہ اسرائیلی فورسز کے خلاف مزاحمت میں تیزی لائیں اور تمام دستیاب ذرائع سے آبادکاروں کے حملوں کو پسپا کریں۔

حملوں میں اضافہ اور پس منظر

یہ تشدد ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب امریکہ اور اسرائیل کی جانب سے ایران پر جنگ کے آغاز کے بعد آبادکاروں کے حملوں میں ریکارڈ اضافہ دیکھا گیا ہے۔

البیادر ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کے ڈائریکٹر حسن ملیحات کے مطابق جنگ شروع ہونے کے بعد سے حملوں میں 25 فیصد اضافہ ہوا ہے۔

ملیحات نے اناطولیہ ایجنسی کو بتایا کہ آبادکار اور اسرائیلی حکام جنگ کی وجہ سے پیدا ہونے والے سیاسی اور سیکیورٹی حالات کا فائدہ اٹھا رہے ہیں تاکہ فلسطینیوں پر دباؤ بڑھا کر انہیں ان کی زمینوں سے بے دخل کیا جا سکے۔

مقبوضہ مغربی کنارے میں آبادکاروں کے حملے معمول بن چکے ہیں، لیکن اکتوبر 2023ء سے ان میں شدت آئی ہے۔ فلسطینی اندازوں کے مطابق اکتوبر 2023ء سے اب تک مقبوضہ مغربی کنارے میں 40 سے زائد فلسطینی اسرائیلی آبادکاروں کے ہاتھوں شہید ہو چکے ہیں، تاہم اب تک کسی بھی آبادکار کے خلاف ان ہلاکتوں پر مقدمہ نہیں چلایا گیا۔

واضح رہے کہ مقبوضہ مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں 200 سے زائد بستیوں میں تقریباً 7 لاکھ اسرائیلی آبادکار رہتے ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے تحت یہ تمام اسرائیلی بستیاں غیر قانونی تصور کی جاتی ہیں۔

براہ راست ڈیٹیلیکنامہ: تحریر: لعیبی یوسف الجمال

یورپی یونین انتہائی پرجوش

عوامی غم و غصے کے باوجود اسرائیل کے ساتھ تعاون کے لیے اندرونی دستاویز کا انکشاف

یورپی یونین اور اسرائیل کے تعلقات پر گہری نظر رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے ''امید'' جیسی کوئی چیز معنی نہیں رکھتی۔ ''اقدار'' کے بارے میں لفاظی تو بہت ہے، لیکن احتساب کی توقع ہمیشہ دور نظر آتی ہے۔

شاید 2025ء میں ایک وقت ایسا آیا تھا جب یہ امکان تھوڑا قریب محسوس ہوا، کیوں کہ یورپی یونین کے ایجنڈے پر پابندیوں کی تجاویز رکھی گئی تھیں۔ لیکن اکتوبر میں امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے غزہ کے لیے نام نہاد ''سیز فائر'' کے اعلان کا مطلب یہ تھا کہ ان تجاویز کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔

کم از کم ایک سفارت کار تو ایسا ہے جو ان تجاویز کی وجہ سے پیدا ہونے والی تلخی کو دور کرنے میں مصروف رہا ہے۔

معلومات تک رسائی کی درخواست (FOI) کے ذریعے، میں نے ایک بریفنگ دستاویز حاصل کی ہے جو تل ابیب میں یورپی یونین کے سفیر مائیکل مین (Michael Mann) کے لیے ممکنہ پابندیوں کے حوالے سے تیار کی گئی تھی۔ اگرچہ اس دستاویز کو مائیکل مین کے ساتھی حکام نے سینسر (ترمیم) کیا ہے، لیکن اس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ جب انہوں نے رواں سال جنوری میں اسرائیل۔ یورپی یونین چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کے وفد سے ملاقات کی تو انہوں نے پابندیوں کی ان تجاویز (جو ابھی تک باضابطہ طور پر واپس نہیں لی گئیں) کے بارے میں پائے جانے والے خدشات کو دور کرنے کی کوشش کی۔

دستاویز کے مطابق، مائیکل مین کی سربراہی میں کام کرنے والا سفارت خانہ اسرائیل کی بزنس لابی کے ساتھ تعاون کے لیے ''انتہائی پرجوش'' ہے تاکہ ''یورپی یونین کے اقتصادی مفادات کو فروغ دیا جا سکے اور خوشحال معاشی تعلقات کو پروان چڑھایا جا سکے۔''

اس دستاویز میں جو حصے سیاہ سیاہی سے مٹا دیے گئے ہیں ان کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں اسرائیل کے ساتھ ''خوشحال معاشی تعلقات'' کے اخلاقی یا قانونی نقصانات کا جائزہ نہیں لیا گیا ہوگا۔ یورپی یونین کی اس تجارت کو بڑھانے کی بے تابی واضح طور پر بین الاقوامی قانون کے تحت اس کی ان ذمہ داریوں کی خلاف ورزی ہے جن کے مطابق اسے نسل کشی کے جرم کو روکنا اور اس پر سزا دینا چاہیے۔

اس سینسر شدہ بریفنگ پیپر میں صرف ایک جگہ یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ کچھ غلط ہو رہا ہے، جہاں ''گزشتہ دو سالوں کے دوران اسرائیلی حکومت اور صورتحال پر ہونے والی عوامی تنقید'' کا ذکر ہے۔

''عوامی تنقید'' بلاشبہ ان عام لوگوں کے غصے کے لیے ایک نرم اصطلاح ہے جو غزہ کی تباہی اور فلسطینیوں کی وسیع پیمانے پر محکومی پر آواز اٹھا رہے ہیں۔ اسرائیل کے ساتھ ''خوشحال معاشی تعلقات'' کو فروغ دے کر یورپی یونین کے نمائندے شہریوں کے مطالبات کو حقارت سے ٹھکرا رہے ہیں۔

صاف گوئی اور بددیانتی

مائیکل مین کی اسرائیل-ای یو چیمبر آف کامرس کے ساتھ ملاقات اس مضمون کے بعد ہوئی جو تنظیم کے چیئرمین رونی بورنسٹین (Roni Bornstein) نے نومبر میں Calcalis کے لیے لکھا تھا۔ اس مضمون میں بورنسٹین نے دلیل دی تھی کہ ''اسرائیل اور یورپی یونین کے تعلقات کوئی انتخاب نہیں بل کہ ایک بے مشترکہ اسٹریٹیجک مفاد ہیں۔'' انہوں نے مزید کہا کہ ''یہ وقت پیچھے ہٹنے کا نہیں بل کہ مزید گہرائی میں جانے کا ہے۔''

بورنسٹین کی یہ التجا لہجے کے اعتبار سے یورپی کمیشن کی صدر ارسلا وان ڈیر لیین کے ان ریمارکس سے ملتی جلتی ہے جو انھوں نے یورپی یونین کے سفیروں کی ایک کانفرنس میں کہے۔

وان ڈیر لیین نے کہا: ''یورپ اب پرانے عالمی نظام کا نگہبان نہیں رہ سکتا، ایک ایسی دنیا جو اب جا چکی ہے اور واپس نہیں آئے گی۔ ہم ہمیشہ اس 'قواعد پر مبنی نظام' (rules-based system) کا دفاع کریں گے جسے ہم نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر بنایا ہے، لیکن اب، ہم اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے صرف اسی پر انحصار نہیں کر سکتے۔۔۔ اس لیے ہمیں اپنا یورپی راستہ خود بنانا ہوگا اور شراکت داروں کے ساتھ تعاون کے نئے طریقے تلاش کرنے ہوں گے۔''

یہ الفاظ بیک وقت صاف گو بھی ہیں اور بددیانت بھی۔

وان ڈیر لیین اس وقت سچی لگتی ہیں جب وہ یہ دلیل دیتی ہیں کہ بین الاقوامی قانون، جسے وہ اپنی زبان میں ''قواعد پر مبنی نظام'' کہتی ہیں، پر کم توجہ دی جانی چاہیے۔ وہ بالکل اسی طرح سچی لگ رہی ہیں جیسے کوئی مجرم اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے تاکہ کوئی رعایت حاصل کر سکے۔ سچ تو یہ ہے کہ یورپی یونین نے بین الاقوامی قانون کا دفاع صرف تب کیا ہے جب اسے سیاسی طور پر فائدہ مند محسوس ہوا۔

اسرائیل، یورپی یونین کے ساتھ اتنی قریبی شراکت داری سے لطف اندوز ہو رہا ہے کہ وان ڈیر لیین اور ان کے ساتھیوں نے نہ صرف اس کی بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزیوں کو نظرانداز کیا، بل کہ کبھی کبھی ان کی حمایت بھی کی۔ یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ خود وان ڈیر لیین نے اکتوبر 2023ء میں غزہ کے خلاف اسرائیل کی نسل کش جنگ کے آغاز پر اس کی بھرپور حمایت کی تھی۔

معاشی مفادات اور دوہرا معیار

یورپی یونین اور اسرائیل کے درمیان ہونے والے 'ایسوسی ایشن ایگریمنٹ' میں واضح طور پر لکھا ہے کہ انسانی حقوق کا احترام لازمی ہے۔ اگرچہ اسے معاہدے کا ''بنیادی عنصر'' قرار دیا گیا ہے، لیکن مائیکل مین کے لیے تیار کردہ بریفنگ دستاویز میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپی یونین اسرائیل سے قدرتی گیس کی درآمدات میں اضافے کی ''صلاحیت'' پر پرجوش ہے۔ اس میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ برسلز کی قیادت چاہتی ہے کہ اسرائیل سائنسی تحقیقی پروگرام Horizon Europe کا حصہ رہے۔

مذکورہ دستاویز میں پچھلے سال جولائی میں یورپی کمیشن کی طرف سے پیش کیے گئے ایک اقدام کی اہمیت کو بھی کم کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس تجویز کے تحت، اسرائیل کو ایسے منصوبوں کے لیے گرانٹ لینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے تھی جن کے سویلین اور فوجی دونوں طرح کے استعمال ہوں۔ لیکن بریفنگ دستاویز میں اسے صرف ''غزہ کی انسانی صورتحال کے جواب میں ایک محدود اقدام'' قرار دیا گیا ہے جس سے پروگرام کے باقی حصے متاثر نہیں ہوں گے۔

2020ء سے 2024ء کے درمیان اسرائیلی کمپنیوں نے Horizon Europe سے تقریباً 265 ملین ڈالر اور EIC Accelerator سے مزید 232 ملین ڈالر حاصل کیے۔ جولائی میں تجویز کردہ ''محدود اقدام'' پر تاحال عمل درآمد نہیں ہوا اور اسرائیل کو اب بھی یورپی یونین کی فنڈنگ سے نوازا جا رہا ہے۔

حال ہی میں تل ابیب یونیورسٹی کو ''سپرمیسیو بلیک ہول ٹرانزینٹس'' (supermassive black hole transients) پر تحقیق کے لیے 2.4 ملین ڈالر کی گرانٹ دی گئی ہے۔ جب کہ اسرائیلی ماہرین تعلیم خلا کی گہرائیوں پر غور کر رہے ہیں، غزہ کا تعلیمی نظام ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے اور مقبوضہ مغربی کنارے میں سکولوں اور یونیورسٹیوں کو مسلسل حملوں یا مسماری کا سامنا ہے۔

فلسطینیوں پر ہونے والے اس ظلم کی یورپی عوام بھرپور مخالفت کر رہے ہیں، لیکن مائیکل مین اور دیگر حکام کے رویے میں اس عوامی جذبے کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی۔ وہ اسرائیل کو اس تمام تباہی کا انعام دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

تجزیہ: ابوالعین

بیطار صہیونی گروپ۔۔ امریکی اشیرباد کا حامل

ریاست نیویارک نے ''صہیونیت'' کے ایک انتہا پسند متشدد گروپ کے بارے میں تفصیلات جاری کرنے سے یکسر انکار کردیا ہے۔ اس کی وجہ ریاستی حکام نے یہ بتائی ہے کہ اس بارے میں قانون کے نفاذ کے حوالے سے تحقیقات جاری ہیں۔ تفصیلات جاری کرنے اور تحقیقات پر اثرات مرتب ہوں گے۔

اس گروپ کی نمایاں سرگرمیاں بالخصوص امریکہ اور نیویارک میں ایسی رہی ہیں، جن میں یہ گروپ ان طلبہ و طالبات کے بارے میں حکام کو مطلع کرتا رہا ہے جو غزہ میں جاری فلسطینی آبادی کی نسل کشی کے اسرائیلی حملوں پر احتجاج کرنے والے ان طلبہ و طالبات کے بارے میں حکام کو معلومات فراہم کرتا تھا۔ ان معلومات کی بنیاد پر ایسے طلبہ و طالبات کو امریکہ سے خاموشی سے نکال دیا جاتا تھا، انہیں گرفتار کرلیا جاتا یا بھاری جرمانے عاید کردیے جاتے تھے۔ ان کا جرم صرف یہی ہوتا تھا کہ وہ اسرائیلی حملوں کے خلاف سراپا احتجاج رہتے تھے۔

اکتوبر 2025ء میں غزہ میں جنگ بندی کے بعد نیویارک کے ریاستی حکام سے رابطہ کر کے باقاعدہ درخواست دی گئی کہ اس گروپ کی تفصیلات سے آگاہ کیا جائے جو ان سرگرمیوں میں ملوث رہا۔ یہ درخواست نیویارک سٹیٹ اٹارنی جنرل سے کی گئی تھی۔ اس درخواست کا جواب اٹارنی جنرل آفس سے 3 دسمبر کو جاری کیا گیا۔ اس جواب میں بتایا گیا: ''آپ نے جس نوعیت کی تفصیلات کے لیے درخواست دی ہے، وہ منکشف نہیں کی جاسکتیں۔ انہیں ریاست خفیہ رکھنے کی قانونی طور پر پابند ہے۔ یہ معلومات قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے ہیں اور صرف انہی کے لیے انہیں جاری کیا جاسکتا ہے۔

اس حوالے سے ایک قانون کا حوالہ دیا گیا جس کے مطابق کوئی بھی ایسا ریکارڈ عوام کو فراہم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی میڈیا کو دیا جاسکتا ہے جو کسی بھی جاری تحقیقات کے لیے لازمی سمجھا جائے۔ اس سے کسی فرد کے شفاف ٹرائیل پر منفی اثرات مرتب ہونے کا خدشہ ہو، فوجداری معاملے کی تحقیقات متاثر ہوسکتی ہوں یا ان سے تحقیقات کے عمل کے مراحل کا انکشاف ہوسکتا ہو۔

فریڈم آف انفارمیشن کے قانون کے مطابق کسی بھی نوعیت کی معلومات حاصل کرنے کی

درخواست کی جاسکتی ہے اور متعلقہ حکام ان کی فراہمی کے پابند سمجھے جاتے ہیں۔

درخواست میں سوال کیا گیا تھا کہ آیا بیطار امریکہ ایک سماجی تنظیم ہے یا نہیں۔ دوسرا سوال یہ کیا گیا تھا کہ اس گروپ کے ارکان، حکام یا دیگر افراد اس تنظیم کے باقاعدہ رجسٹرڈ افراد ہیں یا نہیں۔ تیسرا سوال یہ کیا گیا تھا کہ یہ افراد کس نوعیت کی سرگرمیوں میں ملوث ہیں اور ان کا امریکہ کے اندر بالخصوص ریاست نیویارک میں صہیونی سرگرمیوں سے کسی نوعیت کا تعلق ہے۔

نیویارک اٹارنی جنرل آفس نے ان میں سے کسی بھی سوال کا جواب دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ معلومات کلاسیفائیڈ ہیں جن کا افشا نہیں کیا جاسکتا۔

جب اس گروپ سے بذریعہ ای میل درخواست کی گئی کہ وہ اس بارے میں معلومات دے تو جواب میں کہا گیا کہ آپ لوگ جہادی ہیں۔ آپ کو یہ معلومات نہیں دی جاسکتیں۔

اس گروپ کو 2024ء میں کسی بھی طرح کے ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا تھا اور فنڈ ریزنگ کی اجازت بہت پہلے دی جاچکی تھی۔ اس گروپ کو بیطار صہیونی آرگنائزیشن کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

اس سال مارچ میں ایک میڈیا گروپ نے بتایا کہ بیطار نامی تنظیم نیویارک کے ایک ایڈریس پر فنڈ جمع کرتی ہے اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ یہ تنظیم ریاستی چیریٹی بیورو کے ساتھ رجسٹر نہیں۔ اس اعتبار سے تنظیم کسی نوعیت کے فنڈز وصول نہیں کرسکتی اور نہ ہی اس مقصد کے لیے کسی طرح کی ابلاغی یا میڈیا مہم ہی چلا سکتی ہے۔

ان سطور کے لکھے جانے تک بیطار نیویارک کے ایڈریس وائٹ پلینز ریہ سرگرمیاں کر رہی ہے۔ وہاں بھی یہ ایک رجسٹر تنظیم نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے اٹارنی جنرل آفس کی ویب سائٹ کے ریکارڈ میں تلاش بھی نہیں کیا جاسکتا۔

اس بارے میں بھی ایسی کوئی معلومات نہیں دی گئیں کہ آیا یہ گروپ اس لیے زیر تفتیش ہے کہ یہ رجسٹر نہیں ہے یا اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ اگر ایسا ہے تو زیر تفتیش معاملہ یا معاملات کیا ہیں جن کے بارے میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کو تفتیش کرنے کی ضرورت پڑی ہے۔

اس صورت حال میں میڈیا گروپ نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ تنظیم اسرائیل کے ایماء پر اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بے چینی پیدا کرنے کی سرگرمیوں میں ملوث ہے۔ رجسٹر نہ ہونے کی وجہ سے یہ سوال بھی اٹھایا جارہا ہے کہ اس کے معاملات شفاف نہیں ہیں، اس کے فنڈز کی مالیت اور دیگر امور کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے۔

بیطار تنظیم کبھی کبھار بیطار ورلڈ وائیڈ کے متبادل نام سے بھی سرگرمیاں کرتی ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ یہ دو تنظیمیں ہیں یا ایک ہی تنظیم کا دوسرا نام ہے۔ اس سے اس شک کو بھی تقویت ملتی ہے کہ یہ تنظیم ضرورت پڑنے پر کسی نام کے بغیر زیر زمین سرگرمیاں بھی کرتی ہے اور حکومت اسرائیل کو ان امور میں براہ راست دسترس حاصل ہے۔

گریے زون نے گزشتہ مہینے ایک فلم جاری کی ہے۔ یہ ایک انڈر کور فلم ہے۔ اس کے بانی کا نام ران ٹوروسین بتایا جاتا ہے۔ اسے بیطار گروپ کا صدر کہہ کے بھی پکارا جاتا ہے۔ اس کے پاس بہ یک وقت اسرائیل اور امریکہ کی دوہری شہریت ہے۔ بیطار ویب سائٹ پر اس کا تعارف چیف ایگزیکٹو کے طور پر کرایا گیا ہے۔ اس کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس نے سال 2024ء میں بیطار کا دوبارہ آغاز کیا تھا۔ اس کا ای میل ایڈریس info@betaroo.org بتایا گیا ہے۔

ران کا کردار بیطار گروپ میں کلیدی ہے۔ کسی بھی طرح کے چیریٹی کے کاغذات، فارموں اور سرکاری دستاویزات کے بغیر اس کی سرگرمیاں پراسرار اور پوشیدہ ہیں۔ اس امر کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ اس کی یہ تنظیم امریکہ میں جواب دہ ہے یا اس سے کسی طرح کی جواب دہی اسرائیل یا اس کا کوئی ادارہ کرتا ہے۔

ویب سائٹ پر بیطار نے اپنا تعارف یوں کرایا ہے کہ یہ امریکی سطح پر بین الاقوامی تنظیم Ze've Jacotnsky کا حصہ ہے۔ یہ ایک روسی شہری تھا جس نے فلسطینیوں پر متشدد حملوں کا آغاز کیا تھا۔ اس کا تعلق اسرائیلی وزیر اعظم بنیامین نیتن یاہو کی لیکوڈ پارٹی سے بھی بتایا گیا ہے۔

اس تنظیم نے اپنے بارے میں مزید بتایا ہے کہ اس کی سرگرمیوں میں اسرائیلی حکومت کے اقدامات میں تعاون کرنا شامل ہے۔ یہ لیکوڈ پارٹی کے حق میں اور امریکہ میں اسرائیل کے حق میں ہونے والے مظاہروں میں زیادہ سے زیادہ یہودیوں کو جمع کرنے اور ان کی سیکیورٹی کرنے کا کام بھی کرتی ہے۔

بیطار کا ٹوئیٹر اکاؤنٹ (X) اسرائیل سے آپریٹ کیا جاتا ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹر بھی لیکوڈ پارٹی کے ہی مرکز میں قائم ہے۔ اس کا ایڈریس اسرائیل میں 38 King George Streat تل ابیب ہے۔ اس عمارت میں حکمران جماعت لیکوڈ سے وابستہ دوسری تنظیموں کے بھی دفاتر ہیں۔

جون میں Deopesite نے رپورٹ کیا تھا کہ واٹس ایپ کے ذریعہ اس تنظیم کے ارکان ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ اسرائیل مخالف مظاہروں کے جواب میں مظاہروں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ان کے لیے مختلف واٹس ایپ گروپس کے ذریعے ساری سرگرمی کی جاتی ہے۔

اس تنظیم کے متعدد ارکان امریکہ میں مساجد کے سامنے مظاہرے کرنے، مسلمانوں اور یہودیوں میں اشتعال پھیلانے کے لیے قرآن جلانے، مسلمانوں کے مظاہروں میں مرچوں کا سپرے کرنے، فلسطینی افراد کو لیزر شعاعوں سے متاثر کرنے کے اقدامات کرتے رہے ہیں۔

جن دنوں امریکہ بھر میں فلسطین کے حق میں مظاہرے ہو رہے تھے، اس تنظیم کے سربراہ کو طلبہ پر تشدد کے الزام میں گرفتار بھی کیا گیا تھا۔ اس پر طلبہ کو خوفزدہ کرنے اور ہراس کرنے کے الزامات کے تحت کارروائی کی گئی تھی۔

رابن براڈی سیپا امریکہ کی رپورٹ کے مطابق بیطار صہیونی گروپ نے فلسطینیوں، عربوں اور دیگر مسلمانوں کے خلاف تشدد، انہیں خوفزدہ کرنے اور ان پر حملے کرنے کی مہم شروع کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اٹارنی جنرل نیویارک سٹیٹ میں سول رائیٹس کے قوانین کے نفاذ پر زور دیا گیا۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ سٹیٹ پراسیکیوٹرز نے بروکلین میں فروری 2025ء میں ہونے والے ایک واقعہ کی تحقیقات کا آغاز کیا۔ اس واقعہ میں فلسطینی ایک دوسرے سے یکجہتی کے ایک پروگرام میں شریک تھے جب بیطار گروپ کے صہیونیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ اس واقعہ میں ایک فلسطینی کو خنجر کے وار کر کے زخمی بھی کر دیا گیا تھا۔ اس پر بیطار پر 50 ہزار ڈالر جرمانہ عاید کیا گیا۔ اس جرمانے کے بارے میں بعد میں بتایا گیا کہ یہ ایک معاہدے کے بعد معطل کر دیا گیا۔ یہ معاہدہ اٹارنی جنرل کے ساتھ کیا گیا۔ اس معاہدہ

کے تحت بیطار گروپ نے نفرت انگیز سرگرمیاں ترک کرنے کا وعدہ کیا اور مسلمانوں کے خلاف اپنی ساری سرگرمیاں ختم کرنے کا اعلان کیا۔ معاہدے کے تحت بیطار گروپ کی مسلم مخالف سرگرمیوں کے دوبارہ کرنے پر اسے یہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔

اس پر اٹارنی جنرل نیویارک سٹیٹ نے کہا کہ وہ آئندہ ایسی سرگرمیاں کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔ کسی بھی واقعہ میں دوسرے گروہ کے لوگوں کو خوفزدہ کرنے، ان پر تشدد کرنے یا دھمکانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اٹارنی جنرل نے کہا کہ ریاست میں بیطار گروپ کی طرف سے اس نوعیت کی سرگرمیوں کی اطلاعات ملی ہیں۔ ان کا مکمل سدباب کیا جائے گا۔

نیویارک سٹی کے نئے میئر ظہران محمود ممدانی نے اس معاہدے کو خوش آئند قرار دیا اور کہا کہ بیطار نے نیویارک سٹی میں نفرت انگیز سرگرمیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ ان کی آئندہ اجازت نہیں دی جائے گی۔ تاہم انہوں نے ان سرگرمیوں میں بیطار گروپ کا نام لینے سے اجتناب کیا۔

جب یہ گروپ بیطار یوایس اے اور بیطار ورلڈ وائیڈ کے ناموں سے ان سرگرمیوں کا ارتکاب کرتا ہے تو پھر قانون نافذ کرنے کے اداروں کو نوٹس لینا پڑتا ہے۔ اس پر بیطار گروپ نے اعلان کیا کہ وہ اپنی سرگرمیوں کے بارے میں No projections کے اعلان کو واپس لیتا ہے۔

مسلمانوں اور بیطار کے درمیان معاہدے کی تفصیلات سامنے آنے پر معلوم ہوا کہ اس کی سرگرمیاں جاری ہیں اور ان کا ان دنوں خصوصی ٹارگٹ فلسطینی ہیں جن پر یہ گروپ حملے کرتا ہے۔ یہ گروپ اپنے بارے میں خود کہتا ہے کہ ''ہم ظالم، جارحیت پسند ہیں اور ہمارا طریقہ تشدد کے استعمال کا ہے۔'' اٹارنی جنرل نے کہا کہ ان کی تفتیش سے اب تک یہ سامنے آیا ہے کہ یہ گروپ تشدد اور خوف و ہراس پھیلاتا ہے۔ یہ گروپ بنیادی طور پر فلسطین، عرب اور مسلم دشمن سرگرمیوں میں ملوث پایا گیا ہے۔

غزہ میں نسل کش اسرائیلی حملوں میں بے گناہ بچوں کے قتل عام پر بیطار نے کہا کہ ان بچوں کا قتل ابھی ناکافی ہے۔ ہم اس سے بھی زیادہ تعداد میں فلسطینی بچوں کو قتل کرنے کے لیے دباؤ ڈالتے رہیں گے۔ ہم غزہ میں مزید خون بہانا چاہتے ہیں۔ اب تک ہونے والی تحقیقات کے نتائج میں یہ بھی بتایا گیا کہ اس گروپ کے ریڈیو سے بار بار اعلانات کیے جاتے رہے کہ نیو یارک میں فلسطینیوں پر حملوں میں تیزی اور شدت لانے کی ضرورت ہے۔

نیویارک سٹیٹ کے اٹارنی جنرل کی تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ بیطار گروپ اپنے ارکان سے کہتا ہے کہ جب وہ ایسے مظاہروں میں جائیں یا بھیجے جائیں جو فلسطین کے حق میں ہوں تو مسلح ہو کر جائیں۔ ان کے پاس مرچیں سپرے کرنے کے آلات کے علاوہ چاقو ہوں، ٹیکٹیکل فلیش لائٹس ہوں تاکہ وہ احتجاج میں شریک فلسطین کے حامیوں کی آنکھیں متاثر کرسکیں، ان کے پاس بلند آواز پیدا کرنے کے بیپرز ہوں تاکہ مقررین کی گفتگو میں جس حد تک ہو سکے، خلل ڈالا جائے اور ان کی بات کسی کی سمجھ میں نہ آسکے، انہیں کہا جاتا ہے کہ ایسے آلات سے مسلح رہیں جن کی مدد سے پیجرز بلاسٹ کیے جائیں، جس طرح لبنان میں پیجرز بلاسٹ کیے گئے تھے۔ ان حملوں میں کم از کم 12 لبنانی 24 ستمبر کو جاں بحق ہوئے تھے۔ ان سے 2800 کے قریب حزب اللہ کے ارکان پیجرز استعمال کرنے کی وجہ سے زخمی بھی ہوئے تھے۔

18 فروری 2025ء کو ایک واقعہ بروکلین کے بورو پارک میں فلسطینی احتجاج پر بیطار نے حملہ کیا تھا۔ اس کے ارکان مسلسل بیپرز استعمال کرتے ہوئے لایعنی شعور کرتے رہے۔

اٹارنی جنرل آفس نے اسے دھمکی آمیز رویے کے مترادف قرار دیا۔ اس کے بعد اس گروپ نے سوشل میڈیا پر بڑے فخر سے بتایا کہ انہوں نے کس طرح فلسطینی احتجاج کو سبوتاژ کیا۔ ایک اور واقعہ بیطار گروپ نے سوشل میڈیا پر دکھایا جس میں وہ ایک فلسطینی خاتون کا سکارف نوچ رہے تھے جو اس نے فلسطین کے طرز پر یعنی کیفیہ کے طور پر لیا ہوا تھا۔ اسے انہوں نے Rape Rags قرار دیا۔

بیطار گروپ نے ان غیر ملکی طلبہ کی ایک فہرست ٹرمپ انتظامیہ کو دی جو فلسطین اور غزہ کے حق میں ایک بڑے احتجاج میں شامل تھے۔ ان میں سے کئی طلبہ و طالبات کو امریکہ بدر کر دیا گیا۔ گروپ نے بڑے فخر سے سوشل میڈیا پر اعلان کیا کہ یہ کارروائی اس کے کہنے کی گئی ہے۔

نیویارک کی ایک فلسطینی نور دین تسوانی نے بتایا کہ بیطار گروپ نے انہیں مسلسل ٹارگٹ بنائے رکھا۔ بعد ازاں جو معاہدہ ان کے اور بیطار کے درمیان ہوا، وہ اس کے بارے میں مستقل شاکی رہیں۔ انہیں بار بار خوف و ہراس میں مبتلا کیا جاتا رہا۔ ان کا کہنا ہے کہ گروپ ان پر بار بار گندگی پھینکتا رہا۔ نیویارک سٹی کی سکائی سکریپر عمارتوں سے ان پر کوڑا پھینکا جاتا رہا۔ انہوں نے اٹارنی جنرل کے اقدامات کو علامتی قرار دیا جن کا گروپ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

اٹارنی کے آفس سے امریکن عرب امتیازی سلوک کی کمیٹی کی رکن حسینی یونس نے میڈیا کو بتایا کہ اس طرح کے امتیازی اقدامات ہوتے ہیں جو بہرحال اچھا آغاز کہے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ بیطار دہشت گرد تنظیم ہے جو نفرت پھیلاتی ہے۔ یہ کھلے عام فلسطینیوں کے خلاف تشدد کو ہوا دیتی ہے۔ یہ ان مسلمانوں کے خلاف بھی نفرت پھیلاتی ہے جن میں خود میں شامل ہوں۔ ہمارا جرم یہ ہے کہ سب فلسطینی حقوق اور آزادیوں کی بات کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے سول رائٹس کی تنظیم CAIR-NY کے ڈائریکٹر عذاف نشار کا کہنا ہے کہ بیطار کے ساتھ معاہدہ خوش آئند ہے۔ اس سلسلے میں نیویارک کے اٹارنی جنرل نے اچھا کام کیا ہے جس کا مقصد اس نسل پرست، اسرائیل کی حامی عسکری تنظیم کی سرگرمیوں کو کنٹرول کرنا ہے لیکن یہ ناکافی اقدامات ہیں۔ انہوں نے وفاقی حکومت سے کہا ہے کہ وہ ان واقعات کا نوٹس لے اور بیطار کی نفرت انگیزی کو روکے۔ انہوں نے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے بھی کہا ہے کہ وہ خاموش تماشائی کا کردار ترک کردیں اور ان اقدامات کو روکا جائے۔

اٹارنی جنرل آفس نے فلسطینی مظاہرین پر حملوں اور ان کو زخمی کرنے کا نوٹس لیا ہے اور اس گروپ کے ارکان کے خلاف فوجداری مقدمات درج کیے گئے ہیں۔ تاہم نیویارک پولیس ڈیپارٹمنٹ کو اس بارے میں ضروری کارروائی کرنی چاہیے۔

اٹارنی کے آفس کی پریس سیکرٹری اور آفیسر کا کہنا ہے کہ بیطار نے جو بھی واقعات کیے ہیں، ان کی تحقیقات ان کا ادارہ کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ بروکلین کے اٹارنی ڈیپارٹمنٹ نے کسی نوعیت کے الزامات اس گروپ کے خلاف اب تک عائد نہیں کیے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وفاقی حکومت نے ان سب واقعات کا براہ راست نوٹس لے لیا ہے اور جنوبی ڈسٹرکٹ کے اٹارنی ان واقعات کی تحقیقات کر رہے ہیں۔ تاہم کسی نوعیت کے اقدامات یا کارروائی کی ابھی تک کسی کو بھی امید نہیں ہے۔

”عالمی یومِ خواتین پر جہاں دنیا جشن منا رہی ہے، وہاں غزہ کی مائیں اپنے خوابوں کی کرچیوں اور اپنوں کی یادوں کے ملبے تلے دبی، خاموش آنسوؤں سے اپنی ہمت کی ایک نئی اور کربناک تاریخ لکھ رہی ہیں۔“

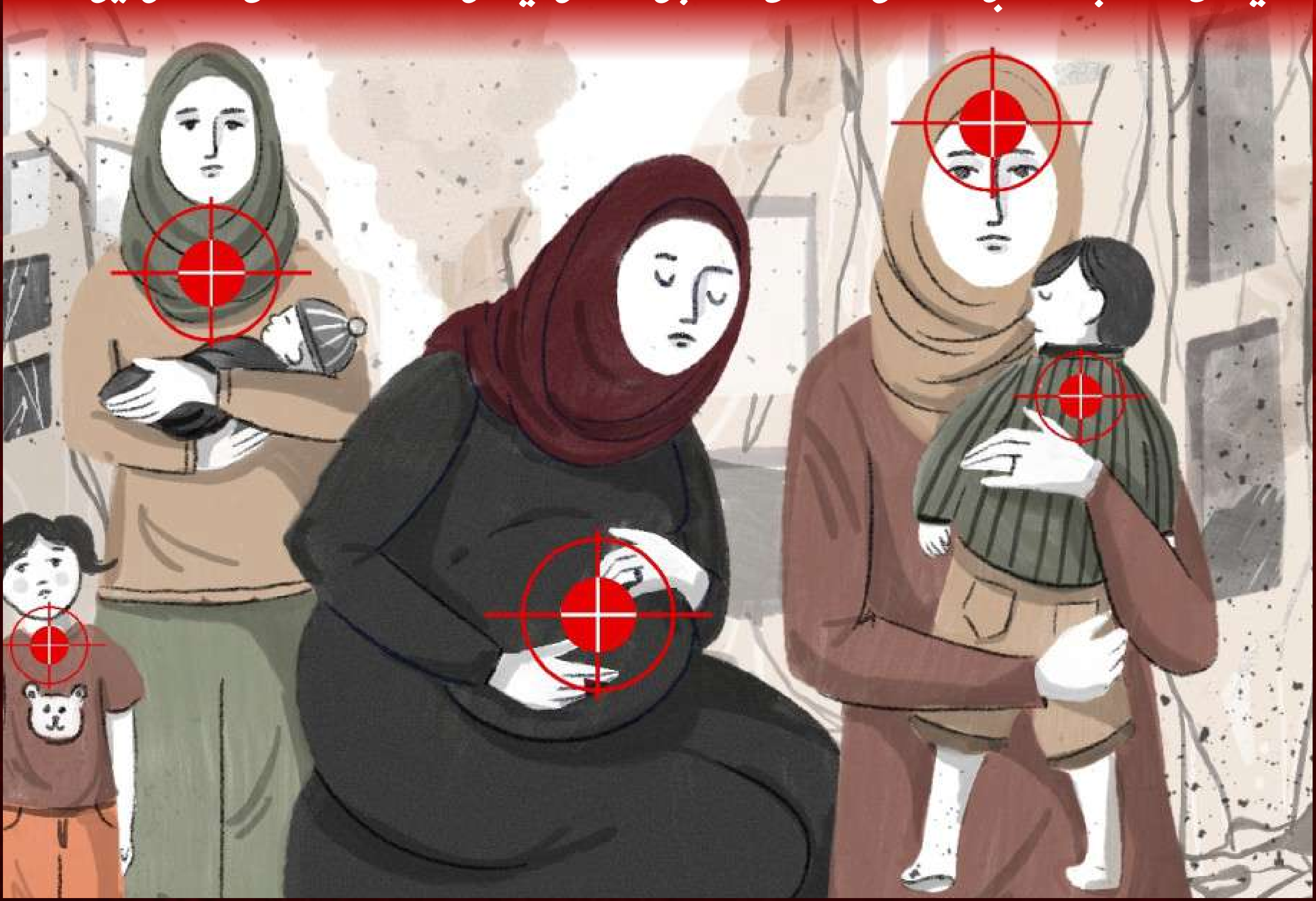

یہ کارٹون 2017ء میں کاغذ پر اتارا گیا تھا،

مگر نو برس بیت جانے کے بعد بھی اس کی سچائی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

وقت بدل گیا، زمانے گزر گئے، لیکن یہ کارٹون آج بھی ہماری تلخ حقیقت کا آئینہ دار ہے۔